ربیع الثّانی ۱۴۴۴ھ
نومبر ۲۰۲۲ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- امر بالمعروف ونہی عن المنکر
- اصلاحِ قلب: کیوں اور کیسے؟
- اقبال اور اتحادِ انسانی

داعی رجوع الی القرآن بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر

اب دو انداز سے دستیاب ہے

● خوبصورت ٹائٹل ● عمدہ سفید کاغذ ● معیاری طباعت

1 2935 صفحات پر مشتمل، سات جلدوں میں
(الگ الگ جلدیں بھی دستیاب ہیں!)
مکمل سیٹ کی قیمت: 6000 روپے

2 متعدد اضافی خوبیوں کا حامل، طبع جدید
● قرآنی رسم الخط ● تفسیری سائز ● مضبوط ریگزین جلد
2560 صفحات پر مشتمل، چار جلدوں میں
مکمل سیٹ کی قیمت: 6000 روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمِيۡثَاقَهُ الَّذِىۡ وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 71

شمارہ : 11

ربیع الثانی 1444ھ

نومبر 2022ء

فی شمارہ : 40 روپے

سالانہ زرِ تعاون: 400 روپے

مُدیر

حافظ عاکف سعید

مجلسِ ادارت:

ایوب بیگ مرزا' خورشید انجم

نائب مُدیر

حافظ خالد محمود خضر

ادارتی معاون:

حافظ محمد زاہد' محمد خلیق

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقامِ اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000' ای میل: maktaba@tanzeem.org

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

رابطہ برائے ادارتی امور: (042)38939321

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارُالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور

(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-(042)35473375

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

❁ عرضِ احوال ——— 5

پوسٹ کالونیل ازم اور طبقاتی نظام — ادارہ

❁ بیانُ القرآن ——— 10

سورۃ الملک — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

❁ دعوت وعزیمت ——— 25

امر بالمعروف و نہی عن المنکر — انجینئر محمد رشید عمر

❁ تزکیۂ نفس ——— 33

اصلاحِ قلب: کیوں اور کیسے؟ — احمد علی محمودی

❁ سیرتِ صحابیات ——— 41

حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا

کا ربّ العالمین سے خصوصی تعلق — سعادت محمود

❁ دعوتِ فکر ——— 49

وقت: ایک گراں مایہ دولت — حافظ محمد اسد

❁ اقبالیات ——— 57

اقبال اور اتحادِ انسانی — راحیل گوہر صدیقی

❁ انوارِ ہدایت ——— 67

اعمال میں میانہ روی — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

❁ ظروف واحوال ——— 73

ٹرانس جینڈر (تحفظ حقوق) ایکٹ ۲۰۱۸ء — پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

پوسٹ کالونیل ازم اور طبقاتی نظام

کراچی میں ۲۰۱۲ء میں قتل ہونے والے شاہ زیب خان کے کیس میں مرکزی ملزم شاہ رخ جتوئی کو دس سال بعد رہا کر دیا گیا ہے۔ فیصلہ سپریم کورٹ کے تین رکنی بنچ نے سنایا‘ جس کی سربراہی جسٹس اعجاز الاحسن کر رہے تھے۔ اس قتل میں ملوث دیگر ملزمان کو بھی بری کر دیا گیا۔

شاہ رخ جتوئی نے ۲۵ دسمبر ۲۰۱۲ء کو شاہ زیب خان نامی نوجوان کو تلخ کلامی کے نتیجے میں فائرنگ کر کے قتل کر دیا تھا۔ ۲۰۱۳ء میں انسدادِ دہشت گردی کی عدالت نے جرم ثابت ہو جانے پر شاہ رخ جتوئی اور نواب سراج کو سزائے موت جبکہ دیگر دو ملزمان کو عمر قید کی سزا سنائی۔ اس کے بعد وکلائے صفائی نے اس فیصلے کے خلاف سندھ ہائی کورٹ سے رجوع کیا۔

کیس چلتا رہا اور دوسری طرف مقتول کے اہلِ خانہ پر صلح کے لیے سیاسی اور سماجی دباؤ بھی بڑھتا گیا۔ آخر ۲۰۱۷ء میں شاہ زیب خان کے اہلِ خانہ نے دِیت کے قانون کے تحت ملزم شاہ رخ جتوئی کو معاف کر دیا‘ جس کے بعد قاتلوں کو رہا کیا گیا۔ اس پر سپریم کورٹ نے ’’ازخود‘‘ نوٹس لیا اور ۲۰۱۸ء میں سندھ ہائی کورٹ کے فیصلے کو کالعدم قرار دیتے ہوئے ملزمان کی دوبارہ گرفتاری کا حکم دیا۔ پھر ۲۰۱۹ء میں سندھ ہائی کورٹ نے شاہ رخ جتوئی اور اس کے ساتھی سراج تالپور کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرنے جب کہ دو ملزمان کی عمر قید کو برقرار رکھنے کا فیصلہ سنایا۔ ملزمان نے سندھ ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ سے رجوع کرتے ہوئے عمر قید کی سزا ختم کرنے کی درخواست کی‘ جس پر اب سپریم کورٹ کی جانب سے ان کی رہائی کا فیصلہ سامنے آیا ہے۔ رہائی کی وجوہات میں کہا جا رہا ہے کہ مقتول کے ورثاء نے صلح کر لی ہے اور یہ کہ دہشت گردی کا الزام بھی ثابت نہیں ہو سکا۔

یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے کہ جس میں ہمارے سماج کے ’’بڑے‘‘ لوگوں کو جرم ثابت ہونے کے بعد بھی اس کے داغ سے ’’پاک‘‘ قرار دے دیا گیا ہو۔ مجرم تو یہاں صرف ’’چھوٹے‘‘ لوگ

قرار پاتے ہیں۔ پاکستان کی جیلوں میں سالہا سال سے سڑتے ہوئے قیدیوں کی فہرست تیار کی جائے تو ان میں ایک بھی قیدی ’’بڑے‘‘ لوگوں میں سے نہیں ہوگا۔ اگر ہوگا بھی تو اس کی نام نہاد ’’قید‘‘ عام آدمی کی آزادی سے بھی ہزاروں گنا شاہانہ ہوگی‘ اور ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ اس پر کسی قسم کے جرم کا شائبہ تک ہو۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کا فرمانِ عالی شان واضح ہے کہ: ’’پچھلی قومیں اسی وجہ سے تباہ ہوئیں کہ ان کا کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے جبکہ جب کسی کمزور آدمی سے جرم سرزد ہو جاتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے۔‘‘

سپریم کورٹ اور پارلیمنٹ سمیت مملکت خداداد پاکستان کے اکثر بڑے اداروں کی عمارتوں پر کلمہ طیبہ ’’لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ‘‘ لکھا ہوا ہے۔ جب حلف اٹھایا جاتا ہے یا عدالت میں گواہی دی جاتی ہے تو قرآن پاک پر حلف لیا جاتا ہے۔ پاکستان کے آئین کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے اس نے کلمہ پڑھا ہوا ہے‘ کیونکہ شق نمبر ۱ کے مطابق پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ شق 2-A کہتی ہے کہ مملکت خداداد پاکستان میں حاکمیتِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور شق نمبر ۲۲۷ کے مطابق یہاں اسلام سے متصادم یا متضاد (repugnant) کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی۔ ان وجوہات کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی اسلامی ریاست میں اس طرح کا دوہرا نظام ممکن ہے کہ غریب کے لیے قانون کچھ اور ہو جبکہ امیر کے لیے کچھ اور؟ کہا جاتا ہے کہ ہمارا قانون مکڑی کا ایسا جالا ہے جس میں کمزور اور غریب تو پھنس جاتا ہے جبکہ طاقتور اور امیر اسے توڑ کر نکل جاتا ہے۔ ہماری جیلوں میں آج بھی امیر اور بااثر لوگوں کو اے کلاس دی جاتی ہے جہاں ان کے لیے گھر جیسی سہولیات ہوتی ہیں جبکہ غریب آدمی کے لیے حقیقی معنوں میں قید ہوتی ہے جہاں کوئی سہولیات نہیں ہوتیں۔

صاف لفظوں میں یہ دجل ہے کہ ایک اسلامی مملکت کہلانے والی ریاست میں دوہرا نظام ہو۔ امیر کے لیے الگ‘ غریب کے لیے الگ۔ یہ دجل دراصل اس فتنہ دجال کا حصہ ہے جو کالونیل ازم اور پوسٹ کالونیل ازم کے تحت اپنے آخری ہدف کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ طبقاتی نظام سرمایہ دارانہ نظام کا حصہ ہے جس کے ذریعے وہ قوتیں دنیا پر حکمرانی کر رہی ہیں جو عالمی دجالی حکومت کے لیے کوشاں ہیں۔ انہوں نے اس دوہرے

نظام کے خدوخال کالونیل دور میں بڑی منصوبہ بندی اور گہری سوچ بچار کے بعد بنائے اور اب پوسٹ کالونیل دور میں اپنے پیدا کیے ہوئے طبقات کے ذریعے اپنے مفادات کا تحفظ یقینی بنا رہی ہیں۔ اجر کے طور پر ان طبقات کو بھی آئینی اور قانونی تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ اب اس کو ہماری غلطی کہا جائے‘ جہالت‘ لاعلمی یا منافقت کہ ہم نے نظام تو وہی سامراجی رہنے دیا‘ جبکہ اس پر لیبل ’’اسلامی‘‘ کا لگا دیا۔ ہماری عدالتوں کے دروازوں پر سنہری حروف میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے لیکن اندر فیصلے کالونیل طاقتوں کے بنائے ہوئے دوہرے نظام اور قانون کے تحت ہی ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس طبقاتی نظام کی بنیادوں کا حقیقی پس منظر جان لیں تو ہمیں اس میں اتنے بڑے فریب اور دجل نظر آئیں گے کہ جن کو اسلامی کا عنوان دینا ہی سب سے بڑا گناہ متصور ہوگا۔

ہم یہاں اس طبقاتی اور دہرے نظام کی بنیادوں کے حقیقی پس منظر کی مختصر سی جھلک دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ کن حالات میں یہ نظام پروان چڑھا اور پھر آزادی کے بعد اسی کو عوام پر مسلط کر دیا گیا۔ کالونیل ازم کا لفظی مطلب ہے نئی بستی بسانا۔ یورپی سامراجی قوتوں نے امریکہ‘ آسٹریلیا‘ نیوزی لینڈ وغیرہ میں واقعی نئی بستیاں بسائیں اور وہاں کی مقامی آبادیوں کا قتل عام کیا۔ ان کی تاریخ اور شناخت مٹا کر وہ ملک اپنے نام کر لیے۔ اسے تو کالونیل ازم (نوآبادیات) کہہ سکتے ہیں لیکن ہندوستان سمیت دوسرے کئی خطہ ہائے ارض جہاں مغربی استعمار بظاہر مستقل قبضہ نہیں کر سکا اور نہ ہی وہاں گوروں کی مستقل اکثریتی آبادیاں ہیں‘ وہاں بھی مغربی سامراج نے کالونیل ازم کا لفظ استعمال کیا۔ آخر کیوں؟ یہ ایک گہرا راز ہے۔ ذرا ٹھہریے‘ ہم آپ کو بتاتے ہیں۔

عالمی دجالی غلبہ کی خواہش مند طاقتوں نے صلیبی جنگوں میں ناکامی کے بعد سرمایہ دارانہ نظام کو اپنے مقصد کے حصول کا ذریعہ بنانے کا سوچا اور اس کے لیے صنعتی انقلاب کو سیڑھی بنایا۔ یورپ میں صنعتی ترقی کی دوڑ شروع ہوتے ہی پیداوار کی کھپت کے لیے نئی منڈیوں اور خام مال فراہم کرنے والے علاقوں کی تلاش شروع ہوئی۔ اس عمل نے مغرب پر ان علاقوں سے خام مال کی لوٹ کھسوٹ اور بالآخر جبری قبضوں کا دروازہ کھول دیا۔ یوں عالمی غلبہ کا ایجنڈا بھی ساتھ ساتھ آگے بڑھا۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی بھی پہلے تجارتی روپ میں آئی اور بعد ازاں برطانوی سامراج کی شکل میں منتج ہوئی۔ کمپنی نے آتے ہی جہاں تجارتی معاہدے کیے وہاں خام مال کی

لوٹ کھسوٹ کے لیے ٹھگوں‘ نوسر بازوں‘ وطن فروشوں اور غداروں کی کھیپ بھی تیار کرنا شروع کی۔ یہ طبقہ کمپنی کو خام مال کی فراہمی کے لیے چوری‘ ڈاکا اور قتل و غارت گری تک سے گریز نہیں کرتا تھا۔ کمپنی انہیں اس کام کے لیے باقاعدہ اسلحہ‘ تربیت‘ سکیورٹی اور اہم معلومات دیتی تھی۔ یہ چور‘ لٹیرے‘ ٹھگ اور وطن فروش چند ٹکوں کی خاطر اپنے ملک سے سونا چاندی‘ ہیرے جواہرات‘ اجناس اور مال و دولت دیہاتوں‘ شہروں‘ قافلوں اور راجواڑوں سے لوٹ کر کمپنی کو پہنچاتے تھے۔ کمپنی انہیں انعام واکرام سے نواز کر مزید غداروں کی فوج اکٹھی کرنے کا راستہ ہموار کر رہی تھی۔ کمپنی نے اس لوٹ کھسوٹ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ساتھ ساتھ مقامی صنعت کو بھی مکمل طور پر تباہ کیا۔ کاری گروں‘ دستکاروں اور ہنرمندوں کا قتل عام کیا‘ ان کے ہاتھ اور انگوٹھے تک کاٹے گئے تاکہ مقامی صنعت معدوم ہو جائے اور اس کی جگہ برطانوی مصنوعات لے لیں۔ چنانچہ بہت جلد سوئی سے لے کر جدید اسلحہ تک تمام مصنوعات برطانیہ ہی کی استعمال ہونے لگیں۔

فرنگی سامراج نے مقامی صنعت وحرفت کا دروازہ بند کر کے جہاں جائز ذرائع آمدن کے راستے بند کیے وہاں ناجائز کمائی کے اتنے راستے کھول دیے کہ لوٹ کھسوٹ‘ چوری‘ ڈاکازنی‘ قتل و غارت‘ غداری اور وطن فروشی کی حوصلہ افزائی ہونے لگی۔ چنانچہ غداروں‘ نوسر بازوں‘ ٹھگوں‘ چوروں اور وطن فروشوں کو تربیت اور اسلحہ دے کر آہستہ آہستہ کمپنی نے اپنی فوج تیار کرنا شروع کی۔ پھر اسی فوج کو استعمال کر کے ہندوستانی علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لیے اسی قبیل کے لوگوں کو خبر رسانی اور مخبری پر مامور کیا۔ جو جو علاقے کمپنی کے قبضے میں آتے گئے وہاں اس نے اپنے وفاداروں کو بسانا شروع کیا۔ جو جتنا بڑا غدار‘ ڈاکو‘ وطن فروش اور مخبر تھا اسے اتنا ہی بڑا خطاب دیا گیا۔ جاگیریں اور مراعات دی گئیں۔ یوں مقامی آبادی کے لیے غداروں اور نیچوں کے لیے غداری اور وطن فروشی نہ صرف منافع بخش پیشہ ٹھہرا بلکہ ان کے ’’سنہری‘‘ مستقبل کا ضامن بھی بن گیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ فرنگی نے انہی غداروں کی مدد سے جیتی۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد محب وطن افراد کی زمینوں پر‘ ان کے روزگار پر‘ ان کی تجارت پر‘ ان کی زراعت پر ایسے لوگ قابض ہو گئے جو درحقیقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے تربیت یافتہ جاسوس‘ ٹھگ‘ چور اور غدار

تھے۔ ان غاصبوں‘ چوروں‘ وطن فروشوں اور ایمان فروشوں کے تحفظ کے لیے سکیورٹی ادارے قائم کیے گئے جن میں پولیس کا ادارہ بھی شامل تھا۔ اس کا اصل کام انگریز کے وفاداروں کا تحفظ کرنا جبکہ محب وطن مزاحمت کاروں کی مزاحمت کو دبانا تھا۔ اسی طرح جو عدالتی نظام انگریزوں نے قائم کیا اس میں اپنے وفاداروں کے لیے الگ قانون تھا جبکہ ان کے مخالفین کے لیے الگ قانون۔ انگریز کے وفادار بڑے سے بڑا جرم بھی کیوں نہ کرلیں‘ اوّل تو پکڑے نہ جاتے تھے‘ اگر عوامی دباؤ کے تحت گرفتار کر بھی لیے جاتے تو انہیں جیلوں میں عام قیدیوں کی ساتھ نہیں بلکہ ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق شاہانہ انداز میں رکھا جاتا تھا۔ آج تک بالکل وہی قانون ہماری جیلوں میں نافذ ہے کہ ’’اے کلاس‘‘ کے لیے اعلیٰ سہولیات‘ ’’بی کلاس‘‘ کے لیے ذرا کم سہولیات جبکہ عام آدمی کے لیے فرش‘ چٹائی اور دال روٹی وغیرہ۔ اسی طرح عدالتی نظام میں بھی طاقتور کے ساتھ سلوک کچھ اور ہے جبکہ کمزور کے ساتھ کچھ اور۔ غریب بھوک کے مارے کچھ چرا لے تو ساری زندگی جیل میں سڑے گا جبکہ ملک کو لوٹنے والے اشرافیہ میں شمار ہوتے ہیں۔

ذرا سوچیے کہ کالونیل دور کے اس دہرے اور طبقاتی نظام اور قانون پر صرف ’’اسلامی‘‘ کا ٹائٹل لگا دینے سے اور ریاستی اداروں کی عمارات پر سنہری حروف میں کلمہ طیبہ لکھ دینے سے یہ طبقاتی اور استحصالی نظام کیا واقعی عادلانہ ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں! اس کا ایک ہی حل ہے کہ سامراجی طاقتوں کے قائم کیے گئے اس طبقاتی اور استحصالی نظام کی پوری عمارت کو زمین بوس کر کے اسلام کا عادلانہ نظام نافذ کیا جائے۔ صرف اسی صورت میں حقیقی آزادی‘ مساوات اور عدل کے راستے کھلیں گے ورنہ کالونیل دور کی طرح پوسٹ کالونیل دور میں بھی معاشرہ ایک طبقے کے لیے جنت اور دوسرے کے لیے جہنم بنا رہے گا۔ پوسٹ کالونیل ازم کے تحت مغربی ایجنڈا بدستور آگے بڑھتا رہے گا‘ خلافِ اسلام قانون سازیاں ہوتی رہیں گی جس کا نتیجہ ایسا عالمی نظام ہوگا جس میں اسلام اور عدل کا نشان تک نہ ہوگا!

❀❀❀

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُوْرَۃُ الْمُلْک

تمہیدی کلمات

سورۃ التحریم مکی مدنی سورتوں کے چھٹے گروپ کی آخری سورت تھی۔ یاددہانی کے لیے ایک مرتبہ پھر نوٹ کر لیجیے کہ اس گروپ کا آغاز سورۂ قٓ سے ہوتا ہے (سورۂ قٓ سے ہی قرآن مجید کی ساتویں اور آخری منزل کا آغاز بھی ہوتا ہے)۔ اس گروپ میں سورۂ قٓ سے سورۃ الواقعہ تک سات مکّی سورتیں اور سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم تک دس مدنی سورتیں شامل ہیں۔ اب سورۃ الملک کے مطالعہ کے آغاز کے ساتھ ہم پھر سے قرآن کی ’’مکّی جنّت‘‘ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس سورت سے مکّی سورتوں کے آخری گروپ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس گروپ کی پہلی چھ سورتیں دو ضمنی گروپس میں تقسیم ہیں۔ ہر ضمنی گروپ میں تین سورتیں ہیں‘ جن میں ایک منفرد ہے اور دو جوڑے کی شکل میں ہیں۔ سورۃ الملک پہلے ضمنی گروپ کی منفرد سورت ہے۔ اپنے مضمون کی جامعیت کے اعتبار سے اس گروپ میں اس سورت کا وہی مقام ہے جو پچھلے گروپ میں سورۂ قٓ کا تھا۔ سورۃ الملک نبی اکرم ﷺ کو بہت عزیز تھی۔ رات کو سونے سے پہلے اس سورت کی تلاوت کرنا حضور ﷺ کا مستقل معمول تھا۔ آپؐ نے اُمّت کو بھی اس عمل کی خصوصی تلقین فرمائی ہے۔

آیات ۱ تا ۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۨ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ
خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ

الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ﴿٢﴾ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ
خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ
فُطُوْرٍ ﴿٣﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ
حَسِيْرٌ ﴿٤﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا
لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿٥﴾ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٦﴾ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا
لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ﴿٧﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا
فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴿٨﴾ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاۗءَنَا
نَذِيْرٌ ڏ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ښ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ
ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ﴿٩﴾ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ
السَّعِيْرِ ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿١١﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١٢﴾
وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٣﴾ اَلَا
يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٤﴾

آیت ١ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ﴾ ’’بہت ہی بابرکت ہے وہ ہستی جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے‘‘

یہ دین اسلام کے سیاسی منشور کی بنیادی شق ہے۔ یعنی پوری کائنات کا اقتدار اور اختیار کُلّی طور پر اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔ دنیا میں اگر انسانوں کے ہاں اللہ تعالیٰ کے احکام سے کہیں بغاوت دکھائی دیتی ہے تو وہ بھی دراصل اُسی کے عطا کردہ اختیار کی وجہ سے ہے۔ اس میں ایمان کے دعوے داروں کا امتحان بھی ہے کہ وہ بھلا اللہ کے اقتدار کو چیلنج کرنے والوں کے مقابلے میں کیا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ ورنہ سورج‘ چاند‘ ستارے‘ کہکشائیں‘ ہوائیں اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند اور تابع ہے۔

پوری کائنات پر اللہ تعالیٰ کی حکومت اور قدرت کی کیفیت یہ ہے کہ کہیں کوئی ایک ذرّہ بھی

اُس کی مرضی کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا اور حرکت کرتا ہوا کوئی ذرّہ اُس کی مشیت کے بغیر ساکن نہیں ہوسکتا۔ اپنی تمام مخلوق میں صرف انسان کو اُس نے ایک حد تک ارادے اور عمل کا اختیار دیا ہے اور وہ بھی اس لیے کہ اس میں انسان کی آزمائش مقصود ہے۔ لیکن انسان ہے کہ ہلدی کی یہ گانٹھ مل جانے پر پنساری بن بیٹھا ہے۔ اب کہیں وہ فرعون بن کر اللہ کے مقابلے میں ’’میری حکومت‘ میرا ملک اور میرا مثالی نظام‘‘ جیسے دعووں کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے تو کہیں کسی فرعون کی چاکری اور وفاداری کی دھن میں مقتدرِ حقیقی کے احکام کو پامال کرتا چلا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت میں انسان کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ خود اپنے جسم پر بھی اُسے کوئی اختیار نہیں۔ ظاہر ہے انسان کے جسم کی فزیالوجی اور اناٹومی کا سارا نظام بھی تو اللہ تعالیٰ کے طے کردہ قانون کے تابع ہے۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ وہ اپنے دل کو آرام دینے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے بند کردے اور پھر اپنی مرضی سے دوبارہ رواں کرلے تو اس کے لیے یہ ممکن نہیں۔

﴿وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ ﴿١﴾﴾ ’’اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

آیت ٢ ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ﴾ ’’جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرنے والا ہے۔‘‘

﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ﴿٢﴾﴾ ’’اور وہ بہت زبردست بھی ہے اور بہت بخشنے والا بھی۔‘‘

یہ ہے انسانی زندگی اور موت کی تخلیق کا اصل مقصد۔ جو کوئی اس فلسفے کو نہیں سمجھے گا اسے زندگی‘ موت اور موت کے بعد پھر زندگی کی یہ باتیں محض افسانہ معلوم ہوں گی۔ جیسے ایک معروف جاہلی شاعر نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا تھا:

حَيَاةٌ ثُمَّ مَوْتٌ ثُمَّ بَعْثٌ حَدِيْثُ خَرَافَةٍ يَا اُمَّ عَمْرو!

’’کہ یہ زندگی‘ پھر موت‘ پھر زندگی‘ اے اُمّ عمرو! یہ کیا حدیث خرافات ہے؟‘‘ (معاذ اللہ!) انسانی زندگی کا سفر دراصل عالَمِ ارواح سے شروع ہو کر ابد الآباد کی سرحدوں تک جاتا ہے۔ انسان کی دنیوی زندگی‘ موت اور بعث بعد الموت اس طویل سلسلۂ حیات کے مختلف مراحل ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے: ﴿وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۸﴾ (البقرۃ) ’’اور تم مُردہ تھے‘ پھر اُس نے تمہیں زندہ کیا‘ پھر وہ تمہیں مارے گا‘ پھر جلائے گا‘ پھر تم اُسی کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے‘‘۔ زندگی کے اس تسلسل کے اندر موت کے مرحلے کی توجیہہ میر تقی میر نے ان الفاظ میں بیان کی ہے: ؎

موت اِک ماندگی کا وقفہ ہے　　یعنی آگے چلیں گے دم لے کر!

بہرحال انسان کی دُنیوی زندگی ایک وقفہ امتحان ہے اور موت اس وقفے کے اختتام کی گھنٹی ہے: ﴿نَحۡنُ قَدَّرۡنَا بَیۡنَکُمُ الۡمَوۡتَ وَ مَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِیۡنَ ﴿۶۰﴾﴾ (الواقعۃ)۔ اس وقفہ امتحان کا انداز بالکل اسکولوں اور کالجوں کے امتحانات جیسا ہے۔ فرق بس یہ ہے کہ ان امتحانات کے لیے چند گھنٹوں کا وقت دیا جاتا ہے‘ جبکہ انسانی زندگی کے حقیقی امتحان کا دورانیہ اوسطاً تیس چالیس برس پر محیط ہے۔ ظاہر ہے انسان کی زندگی کے ابتدائی بیس پچیس برس تو بچپنے اور غیر سنجیدہ رویّے کی نذر ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر کسی کو بڑھاپا دیکھنا نصیب ہو تو اپنی آخری عمر میں وہ ﴿لِکَیۡلَا یَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَیۡئًا﴾ (الحج:۵) کی عبرت ناک تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔ لے دے کر ایک انسان کو عمل کے لیے شعور کی عمر کے اوسطاً تیس چالیس سال ہی ملتے ہیں۔

علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم خضرِ راہ میں ’’زندگی‘‘ کے عنوان کے تحت زندگی کے اس فلسفے پر کمال مہارت سے روشنی ڈالی ہے۔ اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

؎ برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی!

؎ تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے ناپ
جاوداں‘ پیہم دواں‘ ہر دم جواں ہے زندگی!

؎ قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

ان اشعار میں علامہ اقبال نے دراصل قرآنی آیات ہی کی ترجمانی کی ہے۔ مندرجہ بالا آخری شعر (قلزمِ ہستی......) آیت زیرِ مطالعہ کے مفہوم کا ترجمان ہے‘ جبکہ پہلے شعر میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۴ ﴿وَ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ ...﴾ کا بنیادی فلسفہ بیان ہوا ہے۔ ظاہر ہے عام طور پر تو زندہ جان کو ہی زندگی کا نام دیا جاتا ہے‘ لیکن کبھی ایسا بھی

ہوتا ہے کہ حقیقی اور دائمی زندگی جان دے دینے (تسلیمِ جاں) سے حاصل ہوتی ہے۔

آیت ۳ ﴿الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ﴾ ’’(وہ اللہ کہ) جس نے بنائے سات آسمان ایک دوسرے کے اوپر۔‘‘

یہ آیت آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔ ابھی تک انسان سات آسمانوں کی حقیقت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

﴿مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ﴾ ’’تم نہیں دیکھ پاؤ گے رحمٰن کی تخلیق میں کہیں کوئی فرق۔‘‘

اس کائنات کا نظام اور اس میں موجود ایک ایک چیز کی تخلیق اس قدر خوبصورت‘ محکم‘ مربوط اور کامل ہے کہ اس میں کسی خلل‘ نقص‘ رخنے‘ بدنظمی یا عدمِ تناسب کا کہیں شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ اس حقیقت کی گواہی نسلِ انسانی نے اپنے اجتماعی علم کی بنیاد پر ہر زمانے میں دی ہے۔ ہر زمانے کے سائنس دانوں نے فلکیات‘ ارضیات‘ طبعیات‘ حیوانیات‘ نباتات غرض سائنس کے تمام شعبوں میں حیران کن تحقیقات کی ہیں‘ لیکن آج تک کوئی ایک محقق یا سائنسدان یہ نہیں کہہ سکا کہ قدرت کی بنائی ہوئی فلاں چیز میں فلاں نقص ہے یا یہ کہ فلاں چیز اگر ایسے کی بجائے ویسے ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتی۔

﴿فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾﴾ ’’پھر لوٹاؤ نگاہ کو‘ کیا تمہیں کہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟‘‘

آیت ۴ ﴿ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ہُوَ حَسِیۡرٌ ﴿۴﴾﴾ ’’پھر لوٹاؤ نگاہ کو بار بار (کوئی رخنہ ڈھونڈنے کے لیے) پلٹ آئے گی نگاہ تمہاری طرف ناکام تھک ہار کر۔‘‘

اندازہ کیجیے کہ کس قدر پُرزور اسلوب ہے اور کتنا بڑا چیلنج ہے! بار بار دیکھو‘ ہر پہلو اور ہر زاویے سے دیکھو! اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تمہیں کہیں کوئی خلل‘ نقص یا رخنہ نظر نہیں آئے گا! ظاہر ہے یہ چیلنج پوری انسانیت کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ بہرحال آج تک کوئی سائنس دان اور کوئی دانشور اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکا۔ گویا اب تک پوری نوعِ انسانی اس نکتے پر متفق ہے کہ یہ کائنات اور اس کی ایک ایک تخلیق مثالی اور کامل ہے۔ دراصل دنیا بھر کے

داناؤں اور دانشوروں کی توجہ اس مثالی تخلیق کی طرف دلا کر انہیں پیغام تو یہ دینا مقصود ہے کہ اے عقل کے اندھو! کائنات کی خوبصورتی اور کاملیت کو دیکھ کر اس پر حیرت کا اظہار کرنے کے بجائے اس کے خالق کو پہچانو اور اس کی عظمت کے سامنے اپنا سرِ نیاز خم کرو۔ لیکن مقامِ حیرت ہے کہ ستاروں اور کہکشاؤں کی دنیا کے اسرار و عجائب کا کھوج لگانے والے بڑے بڑے سائنسدان اور ماہرینِ فلکیات بھی اس معاملے میں اپنے ناک تلے کے پتھر سے ٹھوکریں کھاتے رہے۔ ان لوگوں نے اپنی تحقیقات کے دوران بہت کچھ دریافت بھی کیا اور بہت کچھ دیکھا بھی۔ لیکن اس ساری چھان بین میں انہیں اگر نہیں نظر آیا تو اس کائنات کا خالق کہیں نظر نہیں آیا۔ بقول اقبال: ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا!

آیت ۵ ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ﴾ ''اور ہم نے سب سے قریبی آسمان کو سجا دیا ہے چراغوں سے''

یعنی زمین سے قریب ترین آسمان کو ستاروں سے مزین کر دیا گیا ہے۔

﴿وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ ''اور ان کو بنا دیا ہے ہم نے شیاطین کو نشانہ بنانے کا ذریعہ''

ان ستاروں میں ایسے میزائل نصب کر دیے گئے ہیں جو غیب کی خبروں کی ٹوہ میں عالمِ بالا کی طرف جانے والے شیاطین جن کو نشانہ بناتے ہیں۔

﴿وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝۵﴾ ''اور ان کے لیے ہم نے تیار کر رکھا ہے جلا دینے والا عذاب۔''

آیت ۶ ﴿وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶﴾ ''اور جو لوگ اپنے رب کا کفر کریں (چاہے وہ انسان ہوں یا جنّات) ان کے لیے جہنّم کا عذاب ہے' اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔''

آیت ۷ ﴿اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِىَ تَفُوْرُ ۝۷﴾ ''جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اسے سنیں گے دھاڑتے ہوئے اور وہ بہت جوش کھا رہی ہوگی۔''

جہنّم انہیں دیکھ کر غصے سے دھاڑ رہی ہوگی جیسے کوئی بھوکا بھیڑیا اپنے شکار پر جھپٹتے ہوئے غراتا ہے۔ سورۂ قٓ میں جہنّم کے غیظ و غضب کی ایک کیفیت یوں بیان ہوئی ہے: ﴿يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝۳۰﴾ ''جس دن کہ ہم پوچھیں گے جہنّم سے کہ کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟''

آیت ۸ ﴿تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ﴾ ''قریب ہوگا کہ وہ غصے سے پھٹ جائے۔''

ایسے معلوم ہوگا کہ ابھی شدّتِ غضب سے پھٹ پڑے گی۔

﴿كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝۸﴾ ''جب بھی ڈالا جائے گا اس میں کسی ایک گروہ کو تو اس کے داروغے اُن سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟''

قیامت کے دن ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ حساب ہوگا' جیسا کہ سورۃ النمل کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝۸۳﴾ ''اور ذرا تصور کرو اُس دن کا جس دن ہم جمع کریں گے ہر اُمت میں سے ایک فوج اُن لوگوں میں سے جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے' پھر ان کی درجہ بندی کی جائے گی''۔ گویا جیسے جیسے حساب ہوتا جائے گا' اسی ترتیب سے ہر قوم کے مجرمین کو جہنّم کی طرف لے جایا جائے گا۔ ہر گروہ کے پہنچنے پر جہنّم پر متعین فرشتے ان سے سوال کریں گے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟

آیت ۹ ﴿قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۥ﴾ ''وہ کہیں گے: کیوں نہیں! ہمارے پاس خبردار کرنے والا آیا تھا''

﴿فَكَذَّبْنَا﴾ ''لیکن ہم نے اُسے جھٹلا دیا''

﴿وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ﴾ ''اور ہم نے کہا کہ اللہ نے کوئی شے نہیں اتاری۔''

ہم نے اپنے رسولوںؑ سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف کوئی کتاب وغیرہ نہیں بھیجی' بلکہ ہم نے تو انہیں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ:

﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝۹﴾ ''تم تو کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہو۔''

آیت ۱۰ ﴿وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ﴾ ''اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے''

﴿مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۱۰﴾ ''تو ہم نہ ہوتے ان جہنّم والوں میں سے۔''

اس آیت میں انبیاء ورسل علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کے اصل گناہ کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اس اعتبار سے قرآن مجید کا یہ مقام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ایسے تمام لوگوں کا بنیادی اور اصل جرم یہ تھا کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی دعوت سنی اَن سنی کر دی تھی۔ اس دعوت پر انہوں نے کبھی سنجیدگی سے غور ہی نہ کیا اور نہ ہی پیغمبروں کی باتوں کو کبھی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی زحمت گوارا کی۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیکھنے‘ سننے‘ سمجھنے وغیرہ کی صلاحیتیں اسی لیے تو دی ہیں کہ وہ ان صلاحیتوں کو کام میں لائے اور اپنے نفع ونقصان کے حوالے سے درست فیصلے کرے۔ اسی بنیاد پر آخرت میں انسان کی ان تمام صلاحیتوں کا احتساب بھی ہوگا: ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۳۶﴾ (بنی اسرائیل) ''یقیناً سماعت‘ بصارت اور عقل سبھی کے بارے میں باز پُرس کی جائے گی''۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو یہ صلاحیتیں استعمال میں لانے کے لیے دی ہیں‘ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حق کی دعوت کے جواب میں اکثر لوگ ان صلاحیتوں سے بالکل بھی کام نہیں لیتے۔ بلکہ اگر بات سمجھ میں آ بھی جائے اور دل اس کی صداقت کی گواہی بھی دے دے‘ تب بھی عملی طور پر قدم آگے نہیں بڑھتا۔ صرف اس لیے کہ آباءواجداد کے اعتقادات ونظریات ہیں‘ برادری کے رسم ورواج ہیں! انہیں کیسے چھوڑ دیں؟ اور اگر چھوڑیں گے تو لوگ کیا کہیں گے؟ اسی نوعیت کی ایک مجبوری یہ بھی ہے کہ پرانے مسلک سے روگردانی بھلا کیونکر ممکن ہے؟ اتنے عرصے سے اس جماعت میں ہیں‘ اب یکدم اس سے کیسے بےوفائی کر دیں؟

آیت ۱۱ ﴿فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ﴾ ''پس وہ اپنے اصل گناہ کا اعتراف کر لیں گے۔''

﴿فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۱۱﴾ ''پس پھٹکار ہے جہنمی لوگوں کے لیے۔''

اب تقابل کے طور پر آگے اہلِ جنت کا تذکرہ آ رہا ہے۔

آیت ۱۲ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ﴾ ''بے شک وہ لوگ جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں غیب میں رہتے ہوئے''

﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۱۲﴾ ''اُن کے لیے مغفرت بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔''

آیت ۱۳ ﴿وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ﴾ ''اور (دیکھو!) چاہے تم اپنی بات کو چھپا کر بیان کرو یا بلند آواز سے بیان کرو (وہ اس کو جانتا ہے)۔''

﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۱۳﴾ ''وہ تو اس سے بھی واقف ہے جو تمہارے سینوں کے اندر پنہاں ہے۔''

آیت ۱۴ ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ﴾ ''کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟''

یہ آیت اپنے مضمون اور اسلوب کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ ہم میں سے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دعوت کا فریضہ ادا کرنے کی توفیق دی ہے‘ انہیں ایسی آیات اَزبر ہونی چاہئیں۔ ایک شخص نے اگر گھڑی بنائی ہے تو ظاہر ہے اس سے بڑھ کر بھلا اور کون اس گھڑی کے بارے میں جان سکتا ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ جو انسان کا خالق ہے‘ اس سے اس کے ظاہر اور باطن کا کوئی پہلو بھلا کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے!

﴿وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۱۴﴾ ''اور وہ بہت باریک بین ہے‘ ہر شے کی خبر رکھنے والا ہے۔''

آیات ۱۵ تا ۳۰

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا
مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۱۵ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ
يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۱۶ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ
اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۱۷ وَلَقَدْ
كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۱۸ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى
الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰۗفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ڤ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ
بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ۱۹ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ
دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ۲۰ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ

یَرۡزُقُکُمۡ اِنۡ اَمۡسَکَ رِزۡقَهٗ ۚ بَلۡ لَّجُّوۡا فِیۡ عُتُوٍّ وَّ نُفُوۡرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنۡ
یَّمۡشِیۡ مُکِبًّا عَلٰی وَجۡهِهٖۤ اَهۡدٰۤی اَمَّنۡ یَّمۡشِیۡ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ
مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۲﴾ قُلۡ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ
الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ قُلۡ هُوَ الَّذِیۡ
ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا
الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلۡ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ
اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوۡهُ زُلۡفَۃً سِیۡٓـَٔتۡ وُجُوۡهُ الَّذِیۡنَ
کَفَرُوۡا وَ قِیۡلَ هٰذَا الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ بِهٖ تَدَّعُوۡنَ ﴿۲۷﴾ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ
اَهۡلَکَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنۡ مَّعِیَ اَوۡ رَحِمَنَا ۙ فَمَنۡ یُّجِیۡرُ الۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡ
عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۸﴾ قُلۡ هُوَ الرَّحۡمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَیۡهِ تَوَکَّلۡنَا ۚ
فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ هُوَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۹﴾ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَصۡبَحَ
مَآؤُکُمۡ غَوۡرًا فَمَنۡ یَّاۡتِیۡکُمۡ بِمَآءٍ مَّعِیۡنٍ ﴿۳۰﴾

آیت ۱۵ ﴿هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا﴾ ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنا دیا ہے زمین کو پست''

اُس نے زمین کو تمہارے ماتحت اور تابع حکم کر رکھا ہے۔

﴿فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِهَا﴾ ''تو تم چلو پھرو اس کے کندھوں کے مابین''

زمین کے کندھوں سے مراد اس کے وہ میدان ہیں جو انسان کو بہت وسیع اور کشادہ نظر آتے ہیں۔ جیسے ایک چیونٹی اگر ہاتھی کے کندھوں کے درمیان چل پھر رہی ہوگی تو ظاہر ہے اس جگہ کو وہ بہت وسیع میدان سمجھے گی۔

﴿وَ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِهٖ ؕ وَ اِلَیۡهِ النُّشُوۡرُ ﴿۱۵﴾﴾ ''اور اُس کے (دیے ہوئے) رزق سے کھاؤ پیو اور (یاد رکھو کہ تم نے) اُسی کی طرف زندہ ہو کر جانا ہے۔''

آیت ۱۶ ﴿ءَ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوۡرُ ﴿۱۶﴾﴾ ''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں

دھنسا دے اور وہ یکایک لرزنے لگے۔''

کیا تم اس بات سے خائف نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر زلزلہ آ جائے' زمین شق ہو جائے اور تم اس کے اندر دھنس جاؤ؟

آیت ۱۷ ﴿اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ﴾ ''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے؟''

﴿فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ ﴿۱۷﴾﴾ ''پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا خبردار کرنا کیسا تھا!''

آیت ۱۸ ﴿وَ لَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ﴿۱۸﴾﴾ ''اور یقیناً ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا تھا' تو کیسا ہوا (ان پر) میرا عذاب؟''

آیت ۱۹ ﴿اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ ؕ﴾ ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں پرندوں کو اپنے اوپر (اڑتے ہوئے) کبھی پروں کو پھیلائے ہوئے اور کبھی سمیٹے ہوئے؟''

﴿مَا یُمۡسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ﴾ ''نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) مگر رحمٰن!''

﴿اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ﴿۱۹﴾﴾ ''یقیناً وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے!''

یعنی اس کائنات کی ایک ایک مخلوق اور ایک ایک چیز جس قانونِ طبعی پر چل رہی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا وضع کردہ ہے۔

آیت ۲۰ ﴿اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ جُنۡدٌ لَّکُمۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ ؕ﴾ ''بھلا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر تمہاری مدد کرے رحمٰن کے مقابلہ میں؟''

﴿اِنِ الۡکٰفِرُوۡنَ اِلَّا فِیۡ غُرُوۡرٍ ﴿۲۰﴾﴾ ''نہیں ہیں یہ کافر مگر دھوکے میں مبتلا ہیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہ منکرین صرف دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

آیت ۲۱ ﴿اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ یَرۡزُقُکُمۡ اِنۡ اَمۡسَکَ رِزۡقَهٗ ۚ﴾ ''پھر بھلا کون ہے وہ جو تمہیں رزق دے سکے اگر اللہ اپنے رزق کو روک لے؟''

﴿بَلۡ لَّجُّوۡا فِیۡ عُتُوٍّ وَّ نُفُوۡرٍ ﴿۲۱﴾﴾ ’’بلکہ یہ لوگ اپنی سرکشی اور حق سے گریز میں بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔‘‘

اگلی آیت فلسفہ وحکمتِ قرآن کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

آیت ۲۲ ﴿اَفَمَنۡ یَّمۡشِیۡ مُکِبًّا عَلٰی وَجۡہِہٖۤ اَہۡدٰۤی اَمَّنۡ یَّمۡشِیۡ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۲﴾﴾ ’’تو کیا وہ شخص جو اپنے منہ کے بل گھسٹ رہا ہے زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ جو سیدھا ہو کر چل رہا ہے ایک سیدھے راستے پر؟‘‘

اس آیت میں دو قسم کے انسانوں کے ’’طرزِ زندگی‘‘ کا نقشہ دکھایا گیا ہے۔ ایک قسم کے انسان وہ ہیں جو انسان ہوتے ہوئے بھی حیوانی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جیسے ان کی حیوانی جبلّت انہیں چلا رہی ہے بس اسی طرح وہ چلے جا رہے ہیں۔ بظاہر تو وہ اپنی زندگی کی منصوبہ بندیاں بھی کرتے ہیں، معاشی دوڑ دھوپ میں بھی سرگرمِ عمل رہتے ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں اور دوسری ضروریات بھی پوری کرتے ہیں، لیکن یہ سب کچھ وہ اپنے جبلی داعیات کے تحت کرتے ہیں۔ جبلی داعیات کی تعمیل و تکمیل کے علاوہ ان کے سامنے زندگی کا کوئی اور مقصد ہے ہی نہیں۔ ان لوگوں کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص فاصلہ طے کرنے کے لیے چوپایوں کی طرح اوندھا ہو کر منہ کے بل خود کو گھسیٹ رہا ہو۔ ظاہر ہے ایسا شخص نہ تو راستہ دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اسے اپنی منزل کی کچھ خبر ہوتی ہے۔ دوسری مثال اُس شخص کی ہے جو سیدھے راستے پر انسانوں کی طرح سیدھا کھڑے ہو کر چل رہا ہے۔ اس مثال کے مصداق وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی منزل طے کر رکھی ہے۔ وہ طے شدہ منزل پر پہنچانے والے درست راستے کا تعین بھی کر چکے ہیں اور پوری یکسوئی کے ساتھ اس راستے پر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ ظاہر ہے دنیا میں ان لوگوں کی منزل اقامتِ دین ہے جبکہ آخرت کے حوالے سے وہ رضائے الٰہی کے حصول کے متمنی ہیں۔

آیت زیر مطالعہ میں جو فلسفہ بیان ہوا ہے اس کی وضاحت قبل ازیں سورۃ الحج کی آیت ۷۳ کے تحت بھی کی جا چکی ہے۔ اس فلسفے کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز انسان کو حیوانات سے ممیّز و ممتاز کرتی ہے وہ اس کا نظریہ اور اس کی سوچ ہے۔ گویا انسان حقیقت میں وہی ہے جس کا کوئی نظریہ ہو، کوئی آئیڈیل اور کوئی نصب العین ہو۔ جو انسان کسی نظریے اور نصب العین کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ ؕ﴾

(الاعراف:۱۷۹) کے مصداق ہیں، یعنی وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ ظاہر ہے جانوروں کو تو شعور کی اس سطح پر پیدا ہی نہیں کیا گیا کہ وہ اپنی زندگی کا کوئی نصب العین متعین کر سکیں۔ ان کی تخلیق کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کسی نہ کسی طور پر انہیں اپنے کام میں لائیں اور بس۔ سورۃ الحج کی مذکورہ آیت (آیت ۷۳) میں بتوں اور ان کے پجاریوں کی تمثیل کے پردے میں یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی ہے کہ جس انسان کا نظریہ یا آئیڈیل بلند ہو گا اس کی شخصیت بھی بلند ہو گی، جبکہ گھٹیا آئیڈیل کے پیچھے بھاگنے والے انسان کی سوچ اور شخصیت بھی گھٹیا ہو کر رہ جائے گی۔

آیت ۲۳ ﴿قُلۡ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ؕ﴾ ’’کہہ دیجیے کہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔‘‘

لغوی اعتبار سے لفظ ’اَنۡشَاَ‘ اٹھانے اور پرورش کرنے کا مفہوم بھی دیتا ہے۔ لفظ ’’فواد‘‘ کے مفہوم کی وضاحت سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۳۶ کے تحت گزر چکی ہے۔ عام طور پر اس لفظ کا ترجمہ ’’دل‘‘ کیا جاتا ہے، لیکن اصل میں اس سے مراد انسان کی وہ صلاحیت ہے جس کی مدد سے وہ دستیاب معلومات کا تجزیہ کر کے نتائج اخذ کرتا ہے۔ چنانچہ اس لفظ میں عقل یا سمجھ بوجھ کا مفہوم بھی شامل ہے۔

یہاں ایک اہم نکتہ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ قرآن مجید میں جب انسان کی طبعی صلاحیتوں یا حواس کا تذکرہ ہوتا ہے تو السَّمۡع (سماعت) کا ذکر پہلے آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی علم کے ذرائع میں پہلا اور بنیادی ذریعہ اس کی سماعت ہے۔ پچھلی نسلوں کے علمی آثار اور تجرباتی علم سے استفادہ کرنا ہر دور کے انسان کی ضرورت رہی ہے۔ اس علم کو بھی نسل در نسل منتقل کرنے کا بنیادی ذریعہ انسان کی سماعت ہی ہے۔ دوسرے حواس یا ذرائع اس میں اپنا اپنا حصّہ بعد کے مراحل میں شامل کرتے ہیں۔

﴿قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾﴾ ’’بہت ہی کم شکر ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔‘‘

آیت ۲۴ ﴿قُلۡ ہُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾﴾ ’’کہہ دیجیے اُسی نے تمہیں پھیلا دیا ہے زمین میں اور اُسی کی طرف تم اکٹھے کر دیے جاؤ گے۔‘‘

آیت ۲۵ ﴿وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ہٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾﴾ ’’وہ کہتے ہیں

کب پورا ہوگا یہ وعدہ؟ اگر تم سچّے ہو (تو بتاؤ)!''

آیت ۲۶ ﴿قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪﴾ ''کہہ دیجیے کہ یہ علم تو اللہ ہی کے پاس ہے''

قیامت کے وقوع کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی کچھ نہیں جانتا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ﴾ (لقمان:۳۴) ''یقیناً اللہ ہی ہے جس کے پاس ہے قیامت کا علم۔''

﴿وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲۶﴾ ''اور مَیں تو بس ایک واضح طور پر خبردار کر دینے والا ہوں۔''

آیت ۲۷ ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''پھر جب وہ دیکھیں گے اس کو اپنے قریب آتے تو ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے''

﴿وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝۲۷﴾ ''اور کہا جائے گا' یہ ہے وہ چیز جس کا تم مطالبہ کرتے تھے۔''

ہماری وعیدوں اور تنبیہات کے جواب میں تم لوگ طنزیہ انداز میں کہا کرتے تھے کہ لاؤ دکھاؤ کیسی ہے وہ جہنّم! لاؤ ابھی لے آؤ ہمارے اوپر وہ عذابِ موعود! تو لو دیکھ لو اب' یہ ہے جہنّم! تمہارا اصل اور دائمی ٹھکانہ!

آیت ۲۸ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۸﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہیے کہ اگر اللہ مجھے اور جو لوگ میرے ساتھ ہیں' ان کو ہلاک کر دے یا وہ ہم پر رحم کرے' تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟''

یعنی ہم نے تو اپنا معاملہ اپنے اللہ کے سپرد کر رکھا ہے۔ ہم اللہ کے بتائے ہوئے جس راستے پر چل رہے ہیں اس میں یا تو ہماری جانیں چلی جائیں گی یا ہم فتح یاب ہوں گے۔ ان میں سے جو صورت بھی ہو' ہمارے لیے تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔ بلکہ ہماری اصل اور ابدی کامیابی تو وہ ہے جسے تم ہلاکت سمجھتے ہو۔ بہرحال صورتِ حال جو بھی ہو' ان دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی (اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ) (التوبۃ:۵۲) تو ہمیں مل کر ہی رہے گی۔ ہمارے غلبے اور فتح کی صورت میں تو تم بھی ہمیں کامیاب قرار دو گے' لیکن ہم اگر بقول تمہارے ہلاک بھی ہو گئے تو تم اپنے بارے میں بھی تو سوچو کہ تم لوگوں کو اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا؟

آیت ۲۹ ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ وہ تو رحمٰن ہے' ہم اُس پر ایمان لا چکے ہیں اور اُسی پر ہمارا توکّل ہے۔''

یاد رہے کہ زیرمطالعہ مکّی سورتیں بالکل ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھیں' اسی لیے ان میں حضور ﷺ اور اہلِ ایمان کے ساتھ کفّار و مشرکین کی بالکل ابتدائی ردّ و قدح کا عکس نظر آتا ہے۔ اس کشمکش کا نقطۂ عروج سورۃ الانعام' سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں دیکھا جا سکتا ہے۔

﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۹﴾ ''تو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون تھا!''

آنے والا وقت واضح کر دے گا کہ ہم گمراہ تھے یا تم۔

آیت ۳۰ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝۳۰﴾ ''آپؐ کہیے کہ ذرا سوچو! اگر تمہارا پانی گہرائی میں اُتر جائے تو کون ہے جو لائے گا تمہارے پاس صاف' نتھرا ہوا پانی؟''

آج کے دور میں اس آیت کا مفہوم واضح تر ہو کر دنیا کے سامنے آیا ہے۔ آج متعلقہ ماہرین بار بار اس خدشے کا اظہار کر رہے ہیں کہ پانی کے بڑھتے ہوئے استعمال اور بارشوں کی کمی کے باعث مستقبل قریب میں زیرزمین پانی کی سطح خطرناک حد تک نیچے جا سکتی ہے۔ بیشتر علاقوں میں انسانی' حیوانی اور نباتاتی زندگی کا زیادہ تر دارومدار زیرزمین پانی پر ہی ہے جو عموماً آسانی سے دستیاب بھی ہے۔ صاف شفاف اور میٹھے پانی کا یہ عظیم الشان ذخیرہ ''زندگی'' کے لیے قدرت کا بہت بڑا عطیہ ہے۔ اگر یہ پانی واقعی ایسی گہرائی میں چلا جائے جہاں سے اس کا نکالنا ناممکن یا مشکل ہو جائے تو اس کے نتائج کا تصور بھی روح فرسا ہے۔

❀❀❀

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر ''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں' آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

انجینئر محمد رشید عمر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ فرائضِ نبوت و رسالت کا نچوڑ ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صفات سورۃ الاعراف میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہیں:

﴿.....يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ (آیت ۱۵۷)

''.....وہ (نبی کریم ﷺ) حکم کرتے ہیں ان کو نیک کام کا اور منع کرتے ہیں برے کام سے اور حلال کرتے ہیں ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں ان پر ناپاک چیزیں۔ اور اتارتے ہیں ان پر سے ان کے وہ بوجھ اور طوق جو اُن پر تھے۔''

ختم نبوت کے بعد اس فریضہ کی ادائیگی اُمّت کے ذمہ ہے۔ اگر افراد اُمّت یہ فریضہ ادا نہیں کر رہے یا اس کی ادائیگی کا تصوّر ذہنوں میں واضح نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دینی ذِمہ داریوں کا تصوّر ہی مکمل نہیں ہے۔ اُمّتِ مُسلمہ کا فرد ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ فریضہ اس کی زندگی کے کاموں کا لازمی جزو ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''تم ہو بہتر سب اُمّتوں سے جو بھیجی گئی ہے عالَم میں، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے، اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔''

ہر مسلمان ایسی اجتماعیت کا حصّہ ہے جس کے لیے لازم ہے کہ وہ زندگی کے ہر گوشہ میں اللہ کے دین پر عمل پیرا ہو۔ اس اجتماعیت کے اصحابِ حل و عقد کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ فریضہ ادا کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱﴾ (الحج)

''وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو اقتدار دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے۔ اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔''

حالات کا تنزل ان اصحابِ حل و عقد کو کہاں لا کھڑا کرتا ہے، اس کی نشاندہی رسول اللہ ﷺ نے فرما دی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِيْ اُمَّةٍ قَبْلِيْ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ ۔ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ)) (صحیح مسلم)

''مجھ سے پہلے جس نبی کو بھی کسی اُمّت پر اللہ نے مبعوث فرمایا تو اس کو اُمّت میں مخلص احباب اور ساتھی مل گئے جو اس کی سُنّت پر عمل کرتے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے۔ پھر ان کے بعد کچھ ایسے لوگ آئے جن کا عمل ان کے قول کے مطابق نہ تھا اور وہ ایسے کاموں کا ارتکاب کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ پس جو شخص ان کے ساتھ قوتِ بازو سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، ان کے ساتھ دل سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور جو ان کے ساتھ زبان سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا درجہ بھی باقی نہیں۔'' (رواہ مسلم، ماخوذ از ریاض الصالحین)

ان حالات میں فرمانِ خداوندی کے مطابق:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴﴾ (آل عمران)

''اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں برائی سے۔ اور وہی ہیں فلاح پانے والے۔''

ایسے گروہ کے لیے امتیازی کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات میں

بیان کردہ اہلِ ایمان کی صفات میں بھی ان حضرات کا ذکر مضمر ہے۔

نیکی کو پروان چڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ پوری قوت سے برائی کا قلع قمع کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کا بھرپور استعمال اگر نہیں ہوگا تو نیکی سمٹتے سمٹتے ناپید کے درجہ پر پہنچ جائے گی۔ برائی تو گندگی کے ڈھیر پر اُگنے والے خودرو پودوں کی طرح پھیلتی ہے اور نظروں کو بھلی لگتی ہے (گندگی کا ایک ڈھیر سودی معیشت ہے)۔ نیکی کی حفاظت بہترین قوتیں اور صلاحیتیں استعمال کیے بغیر ممکن نہیں۔ یہ فریضہ کس قدر اہم ہے‘ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خالق کائنات خود یہ کام کرتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ (النحل)

’’بے شک اللہ حکم کرتا ہے عدل اور بھلائی کرنے کا اور قرابت داروں کو (اُن کے حقوق) دینے کا‘ اور منع کرتا ہے بے حیائی سے‘ نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے۔ وہ خود تمہیں نصیحت کر رہا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔‘‘

عدل و احسان پر مبنی معاشرہ جس میں درجہ بدرجہ تمام انسانوں ہی نہیں بلکہ تمام مخلوق کے حقوق کا تحفظ یقینی ہو‘ اس کا قیام ممکن نہیں جب تک بے حیائی و برائی کا تدارک اور سرکش طبیعتوں کا علاج نہ کیا جائے۔ اِس وقت معاشرتی بے حیائی عروج پر ہے‘ لیکن اس سے بھی بڑھ کر وہ معاشی بے حیائی ہے جس کا نام ’’سود‘‘ ہے۔ یہ تمام بے حیائیوں کی ماں ہے اور اس وقت طاقتور باطل قوتوں نے پوری دنیا کو اس کے ذریعے اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ ان برائیوں کا خاتمہ کیے بغیر عدل و انصاف ممکن نہیں۔ یہ کام آسان نہیں ہے‘ بالخصوص ان حالات میں جبکہ برائی کو تحفظ دینے والے اقتدار کے چشموں پر قابض ہوں۔ اس لیے داعیانِ خیر کے لیے ضروری ہو جاتا ہے وہ ایک جماعت کی شکل میں منظم ہوں اور اس جماعت کی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر برائی کے قلعوں کی دیواروں کو ڈھانے میں کوئی دریغ نہ کریں۔

قوت و وسائل کی کمی اور کمزوری کے خدشات تو جنم لیتے ہیں اور ناصحین بھی حقِ نصیحت ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے‘ لیکن غور کیجیے‘ کیا یہ فریضہ ادا کیے بغیر محاسبۂ الٰہی کا سامنا کرنا ممکن ہے؟ تو ان کمزوریوں کا علاج کہاں سے ہوگا؟ ان تمام کمزوریوں کا علاج ایمان کی قوت ہی سے ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اُس کی راہ میں اُس کے دیے ہوئے سے ایک دانہ لگائیں

گے تو وہ سات سو گنا بڑھا کر دیتا ہے اور صبر کرنے والوں کو بے حساب دیتا ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے تو اگر ہم اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کو اللہ کے حکموں سے بغاوت یعنی بے حیائی اور برائی کو نیست و نابود کرنے میں استعمال کریں گے تو وہ تمام قوتوں کا مالک ہمیں مطلوبہ قوتوں سے مالا مال کر دے گا۔ اس کے سامنے قلت و کثرت کوئی معنی نہیں رکھتے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ (البقرة)

’’بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘

اس فریضہ کی ادائیگی سے غفلت کی صورت میں قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور دعاؤں کی عدمِ قبولیت کی وعید سنائی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’بنی اسرائیل میں اولاً جو کمزوری رونما ہوئی یہ تھی کہ ان میں سے ایک شخص دوسرے سے ملاقات کرتا تو اسے کہتا: اے فلاں‘ تُو اللہ سے ڈر اور جو کام تُو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے‘ یہ تیرے لیے حلال نہیں ہے۔ پھر دوسرے دن اس کو اسی حالت میں پاتا تو یہ بات اس کو نہ روکتی کہ وہ اس کے ساتھ کھانے پینے بیٹھنے میں شامل ہو جائے۔ جب انہوں نے یہ روش اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک جیسا کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (سورة المائدة کی) یہ آیات تلاوت فرمائیں: ’’جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤدؑ اور عیسیٰ ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حدود سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے روکتے نہیں تھے جو وہ کرتے تھے۔ بہت ہی برا طرزِ عمل ہے جس پر وہ کاربند تھے۔ تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے‘ بہت برا ہے (وہ یہ کہ) اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اگر وہ اللہ پر‘ پیغمبرؐ پر اور جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی اس پر یقین رکھتے تو ان لوگوں کو دوست نہ بناتے‘ لیکن ان میں اکثر بدکردار ہیں۔‘‘ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’ہرگز نہیں! اللہ کی قسم تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور تمہیں لازماً برائی سے روکنا ہوگا‘ اور تمہیں لازماً ظالم کے ہاتھ کو قوت کے ساتھ پکڑ لینا ہوگا اور تمہیں اس کو لازماً حق کی طرف موڑنا ہوگا اور اسے

حق کے اوپر قائم رکھنا ہوگا۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کے دلوں کو یکساں کر دے گا‘ پھر تم پر بھی لعنت اتار دے گا جیسے کہ بنی اسرائیل پر لعنت کی۔‘‘

متذکرہ بالا الفاظ ابوداؤد کے ہیں‘ جبکہ ترمذی کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’جب بنی اسرائیل نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے تو ان کو ان کے علماء نے منع کیا‘ لیکن وہ باز نہیں آئے۔ پھر علماء ان کی مجلسوں میں ان کے ساتھ بیٹھنے لگے اور ان کے ہم نوالہ و ہم پیالہ بن گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کے دلوں کو یکساں کر دیا۔ اور داؤدؑ اور عیسیٰ ابن مریمؑ کی زبان سے ان کو ملعون قرار دیا۔ اس لیے کہ وہ نافرمان تھے اور حدود سے متجاوز ہو گئے تھے۔ (راوی کہتا ہے کہ) رسول اللہ ﷺ ٹیک لگائے بیٹھے تھے‘ آپؐ اُٹھ بیٹھے اور آپؐ نے فرمایا: ’’تمہیں قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے‘ تمہیں ان کو حق پر آمادہ کرنا ہوگا۔‘‘ (ریاض الصالحین)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا بہترین جہاد ہے۔‘‘ (ابوداؤد اور ترمذی)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ’’جو شخص برائی کو دیکھے وہ اس کو ہاتھ (کی قوت) سے روکنے کی کوشش کرے۔ اگر اس کی استطاعت نہیں تو زبان سے منع کرے۔ اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل میں برا جانے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے‘‘۔ (رواہ مسلم)

اس حدیث مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ’’ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار میں جہاں ضرورت ہو اس فریضہ کو ادا کرے۔ گھر کے سربراہ کو اپنے اہل وعیال اور ادارے کے سربراہ کو اپنے ماتحتوں کے اخلاق واعمال کی اصلاح کرنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔‘‘

اس ذمہ داری کی ادائیگی کی اہمیت جاننے کے لیے اجتماعی قومی اعمال کا معروفات اور منکرات کے حوالے سے چھٹا تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ معروفات اگر کوئی ہوں گی بھی تو درج ذیل منکرات کی موجودگی میں وہ بے وزن اور غیر مؤثر ہو کر رہ جائیں گی:

(۱) ﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰٮنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝۷۵ فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ

مُّعۡرِضُوۡنَ ۝۷۶ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ۝۷۷﴾ (التوبۃ)

’’ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا اگر وہ ہم کو اپنے فضل سے مال دے تو ضرور صدقہ وخیرات کریں گے اور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا تو اس میں بخل کیا اور پھر گئے۔ ٹال مٹول کر کے پھر اس کی سزا کے طور پر اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اُس دن تک جب کہ وہ اس سے ملیں گے‘ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے منافق کی تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں یعنی جھوٹ‘ خیانت اور وعدہ خلافی۔ ہمارے معاشرے میں‘ الا ماشاء اللہ جتنا کوئی بڑا ہے اتنا ہی زیادہ ان اخلاقی بیماریوں کا شکار ہے۔ ایسی منافقت کا شکار معاشرہ درج ذیل فرمانِ خداوندی کی تصویر بنا ہوا ہے:

﴿اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ‌ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَيَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ‌ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمۡ‌ ؕ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝۶۷﴾ (التوبۃ)

’’منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے میں سے ہیں (یہ ایک دوسرے کے ساتھی‘ مددگار اور پشت پناہ ہیں)۔ یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے سو اللہ نے انہیں بھلا دیا۔ بے شک منافق ہی فاسق وبدکردار ہیں۔‘‘

(۲) ملک عزیز کا ہر فرد قومی سطح پر لاکھوں کے سودی قرض کا مقروض ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ‌ۚ﴾ (البقرۃ:۲۷۹)

’’پھر اگر ایسا نہیں کرتے (سود نہیں چھوڑتے) تو اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ‘‘

جن کے خلاف اللہ اور اُس کا رسول جنگ کا اعلان کر دے انہیں امن کیسے نصیب ہو سکتا ہے!

(۳) ہمارا عدالتی نظام اسلامی شرعی قوانین کی بجائے انگریزوں کے قانون پر چل رہا ہے۔ اللہ کا فتویٰ ایسے لوگوں کے لیے یہ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۴ ......
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۵ ...... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷﴾

”جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے پس وہی تو کافر ہیں...... وہی تو ظالم ہیں...... وہی تو فاسق ہیں۔“

(۴) اللہ تعالیٰ فحاشی‘ عریانی اور بے حیائی سے منع کرتا ہے‘ مَردوں اور عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ لیکن ہمارا نظامِ حکمرانی انٹرٹینمنٹ کے نام پر بے حیائی کی سرپرستی کر رہا ہے۔ اداروں میں غیر محرم مَردوں اور غیر محرم عورتوں کے اختلاط پر کوئی روک ٹوک نہیں بلکہ لازمی کوٹہ مقرر ہے۔ معاملات نظر بازی سے بہت آگے جا چکے ہیں۔

(۵) تعلیمی اداروں میں دہشت گردی کے واقعات کی آڑ میں سیکولر اندازِ فکر پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ ۲۰۰۷ء کی آکسفورڈ ڈکشنری میں سیکولرزم کے معانی بیان کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے کہ معاملات کو سمجھنے میں اللہ اور آخرت کو زیر غور ہی نہ لایا جائے۔

(۶) اجتماعی سطح پر نماز اور زکوٰۃ کے نظام کے قیام کا تصور تک موجود نہیں۔

(۷) طاقتور کا کمزوروں پر ظلم الگ کہانی ہے جس کے نمونے سوشل میڈیا پر آئے دن باتصویر نشر ہوتے رہتے ہیں۔

(۸) حد تو یہ ہے کہ باقاعدہ قانون سازی کے ذریعے سدوم اور عامورہ کی بستیوں کا ہم جنس پرستی کا ماحول پیدا کیا جا رہا ہے۔

(۹) عوام کا دین اور ہے‘ حکمرانوں کا دین اور ہے۔ ایک عام آدمی کا دین اور ہے‘ فرقوں اور جماعتوں کا دین اور ہے۔ دین پر چلنے کے اعتبار سے ہر کسی کی اپنی ترتیب اور ترجیحات ہیں۔ ایسے لوگوں کا مقدر آخرت میں شدید ترین عذاب اور دنیاوی زندگی میں ذلت و رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں۔

ان سب کبیرہ جرائم کی موجودگی میں ع ”ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو!“ کے مصداق جس قوم نے ان جرائم کو مرغوب بنا لیا ہو اور وہ ان کی پشت پناہ بن گئی ہو اس کو تباہی و بربادی سے دوچار کرنے کے لیے کسی بیرونی حملہ آور کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جس میں چھیانوے فیصد مسلمان آباد ہیں‘ جس کے حکمران عمرہ‘ حج اور روضۂ رسول ﷺ پر حاضری اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اور عوام‘ مؤمنین‘ مسلمین حاجی‘ نمازی‘ روزہ دار‘

زکوٰۃ دینے والے‘ دعواتِ اسلامیہ کے کارکنان‘ مبلغینِ دین‘ عاشقانِ رسولؐ اور محافظینِ ختمِ نبوت اور مجاہدین ہیں اور جس کے علماء اور شیوخ کے ناموں کے ساتھ ولی زمانہ‘ فقیہہ عصر‘ امام زمانہ‘ شیخ الاسلام اور معلوم نہیں کیا کچھ لکھا جاتا ہے۔ ان سب کی موجودگی میں کفر‘ ظلم اور فسق و فجور‘ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ جاری ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ﴾ (المائدۃ:۱۰۵) ”اے ایمان والو! تم صرف اپنا خیال رکھو۔ تمہیں وہ لوگ ضرر نہیں پہنچا سکتے جو گمراہ ہو گئے‘ جب تم ہدایت پر رہو گے“ اور مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے‘ فرماتے تھے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں‘ تو قریب ہے کہ عذابِ خداوندی ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔“ (ابوداوٗد‘ ترمذی‘ نسائی‘ ریاض الصالحین)

آج یہ سب جانتے بوجھتے اس فریضہ کی ادائیگی سے کوتاہی برتی جا رہی ہے۔ دین کا کوئی فریضہ جس قدر اہم ہوتا ہے اس کو ادا کرنے کے راستے میں شیطان اور شیطانی قوتوں کی مزاحمت بھی اسی قدر شدید ہوتی ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی میں بڑی رکاوٹ انسان کا نفس بنتا ہے۔ شیطان اس کو ایسی پٹیاں پڑھاتا ہے کہ اس فریضہ کو ادا کرنے کی جرأت اور ہمت پیدا ہی نہیں ہونے دیتا۔ مزید نزغ الشیطٰن کا اندیشہ بھی ہر وقت لگا رہتا ہے۔ چنانچہ یہ کام کرتے ہوئے اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

یہ فریضہ اس قدر سچا اور اہم ہے کہ اس کو ادا کرنے والوں کی آوازوں سے نظامِ باطل کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور وہ پوری قوت سے ایسی زبانوں کو بند کر دینا چاہتے ہیں۔ داعیانِ حق کی آزمائشوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مذکورہ بالا مؤمنین مسلمین حاجی نمازی دعواتِ اسلامیہ کے کارکنان‘ مبلغینِ دین‘ عاشقانِ رسولؐ‘ اولیائے زمانہ‘ شیوخ الاسلام جو اپنے اپنے مقام و مرتبہ کے مزے لے رہے ہیں ان کو جان لینا چاہیے کہ جس طرح ع ”اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد“ اگر آج کے فرعونوں کی ناک رگڑوانی ہے تو یہ منزل بگرام کے جیل خانوں اور گوانتانامو بے کے عقوبت خانوں سے گزر کر ہی حاصل ہوتی ہے۔ فرمانِ رسول ﷺ کی صداقت کا ظہور کہ آخری دور اسلام کے غلبہ کا ہے تو اس کے لیے ایسی ہی جدّوجُہد ناگزیر ہے۔ ۞

اِصلاحِ قلب: کیوں اور کیسے؟

احمد علی محمودی

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے: ایک جسم اور دوسری روح۔ جسم کی نشوونما اور پرورش کے لیے مادی غذا کی جب کہ روح کو طاقت ور اور مضبوط رکھنے کے لیے روحانی غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب انسان کے جسم میں کوئی تکلیف ہو تو اسے جسمانی مرض کہتے اور جب نیت میں فتور پیدا ہو تو اسے روحانی یا باطنی روگ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جسمانی امراض کا بروقت اور صحیح علاج نہ کیا جائے تو انسان قبر کے گڑھے میں پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر روحانی یا باطنی امراض سے بے پروائی برتی جائے، علاج نہ کروایا جائے تو انسان جہنّم کے گڑھے میں پہنچ سکتا ہے۔ مادّہ پرستی کے اس دور میں لوگ جسمانی امراض کے علاج کے لیے تو بہت فکرمند ہوتے ہیں لیکن باطنی امراض سے عمومی طور پر غافل ہیں۔ جسمانی امراض سے زیادہ مہلک باطنی امراض ہیں۔ یہ انسان کی عقبیٰ تو برباد کرتے ہی ہیں لیکن اس کے ساتھ انسان کی دنیاوی زندگی کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى أَجْسَامِكُمْ وَلَا إِلٰى صُوَرِكُمْ ، وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ إِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ)) (رَوَاهُ مُسْلِم)

’’اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔‘‘

قلب ربّ العالمین اور احکم الحاکمین کے نظر فرمانے کا مقام ہے۔ اُس شخص پر تعجب ہے جو محض اپنے چہرے کا خاص خیال رکھتا ہے، جو مخلوق کے دیکھنے کی چیز ہے۔ اس کو دھوتا، گندگیوں اور میل کچیل سے صاف کرتا اور حتی الوسع خوبصورت بنانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ مخلوق کسی عیب پر مطلع نہ ہو۔ اس کے برعکس اپنے اُس قلب کا خیال نہیں کرتا جو ربّ العالمین کے نظر فرمانے کا مقام ہے کہ کسی عیب، بُرائی، گندگی اور آفت کو اس میں نہ دیکھے بلکہ اس کو تو فضیحتوں، گندگیوں اور

برائیوں میں ڈالے رکھتا ہے۔ اگر مخلوقات میں سے کوئی اس کو دیکھ لے تو اس سے علیحدگی اور جدائی اختیار کر لے۔ قلب ایسا بادشاہ اور رئیس ہے کہ اطاعت اور فرماں برداری کے قابل ہے اور تمام اعضاء انسانی اس کے تابع اور ماتحت ہیں۔ لہٰذا جب متبوع میں صلاحیت پیدا ہو گی تو تابع میں یقینی طور پر ظاہر ہو گی اور جب بادشاہ راہِ راست اختیار کرے گا تو اس کی رعایا خود راہ راست پر آ جائے گی۔ اس چیز کو نبی اکرم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:

((أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً ، إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ))(رواه ابن ماجه)

’’سن رکھو! بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو تو سارا بدن درست ہوتا ہے اور وہ خراب ہو تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ سن رکھو! وہ قلب ہے۔‘‘

حرام وحلال اور مشتبہ امور میں احتیاط سے کام وہی شخص لے سکتا ہے جسے قلبِ سلیم حاصل ہو۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قلب کی صحت اور سلامتی پر جسمانی صحت وصلاح کا اصل دارومدار ہے۔ ہمارے اعمال درست ہوں، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے قلب کو درست رکھیں۔ جس کا دل ایک خدا کا ہو گیا تو لازماً وہ انسان مشتبہات کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتا، لیکن اگر دل میں یکسوئی اور انابت الی اللہ کی کیفیت پیدا نہیں ہو سکی تو اسے قلبِ سلیم نہیں کہہ سکتے۔ ایسی صورت میں مشتبہات تو کیا، انسان ممنوعات ومحرمات کا بھی مرتکب ہو سکتا ہے۔ قلبِ سلیم تمام بھلائیوں کا سرچشمہ اور بذاتِ خود بڑی نعمت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾﴾ (الشعراء)

’’جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد۔ بجز اس کے کہ کوئی صحیح سالم دل لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس آیا ہو۔‘‘

صحتِ قلب کی پہچان کے لیے قرآن حکیم کی یہ آیات بہت اہم ہیں:

﴿وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿٣١﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ﴿٣٣﴾﴾ (ق)

’’اور جنت پرہیزگاروں کے لیے بالکل قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دور نہ ہو گی۔ یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اُس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا اور پابندی

کرنے والا ہو۔ جو رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور رجوع کرنے والا گرویدہ دل لے کر آیا ہو۔‘‘

معلوم ہوا کہ قلبِ سلیم وہی ہوسکتا ہے جس کی حیثیت دلِ گرویدہ کی سی ہو‘ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب برابر رجوع رہتا ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ کا مستقر دل کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ تین بار اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ((اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا)) (صحیح مسلم) ’’تقویٰ یہاں ہوتا ہے!‘‘ معلوم ہوا کہ تقویٰ کا اصل مرکز انسان کا دل ہے۔ دل میں اگر خدا کا خوف اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس پایا جاتا ہے تو اس کا اثر انسان کی پوری زندگی میں نمایاں ہو کر رہے گا۔ کوئی اگر زندگی میں خوش گوار تبدیلی کا خواہش مند ہے تو اسے یہ بات جان لینی چاہیے کہ ایسا اسی وقت ممکن ہے جب کہ اُس کے دل کی حالت درست ہو‘ اور دل کی درستی تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں۔ تقویٰ دل کا ادب ہے۔ دل اپنی فطری حالت میں رہ سکے‘ اس کے لیے ضروری ہے کہ دل میں تقویٰ کو جگہ دی جائے۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ فرماتے ہیں: ’’ظاہری اَعمال کا باطنی اَوصاف کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے۔ اگر باطن خراب ہو تو ظاہری اَعمال بھی خراب ہوں گے اور اگر باطن حسد‘ ریا اور تکبر وغیرہ عیوب سے پاک ہو تو ظاہری اعمال بھی درست ہوتے ہیں۔‘‘ (منہاج العابدین: ص ۱۳)

باطنی گناہوں کا تعلق عموماً دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا دل کی اِصلاح بہت ضروری ہے۔

امام محمد غزالیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ’’جس کی حفاظت اور نگہداشت بہت ضروری ہے وہ دل ہے کیونکہ یہ تمام جسم کی اصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر تیرا دل خراب ہو جائے تو تمام اعضاء خراب ہو جائیں گے اور اگر تُو اس کی اصلاح کر لے تو باقی سب اعضاء کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی۔ کیونکہ دل درخت کے تنے کی مانند ہے اور باقی اعضاء شاخوں کی طرح‘ اور شاخوں کی اصلاح یا خرابی درخت کے تنے پر موقوف ہے۔ تو اگر تیری آنکھ‘ زبان‘ پیٹ وغیرہ درست ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرا دل درست اور اصلاح یافتہ ہے اور اگر یہ تمام اعضاء گناہوں کی طرف راغب ہوں تو سمجھ لے کہ تیرا دل خراب ہے۔ پھر تجھے یقین کر لینا چاہیے کہ دل کا فساد اور سنگین ہے۔ اس لیے اصلاحِ قلب کی طرف پوری توجہ دے تاکہ تمام اعضاء کی اصلاح

ہو جائے اور تُو روحانی راحت محسوس کرے۔ پھر قلب کی اِصلاح نہایت مشکل اور دشوار ہے‘ کیونکہ اس کی خرابی خطرات وَوَساوِس پر مبنی ہے جن کا پیدا ہونا بندے کے اختیار میں نہیں۔ اس لیے اس کی اصلاح میں پوری ہوشیاری‘ بیداری اور بہت زیادہ جِدّوجُہد کی ضرورت ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر اصحابِ مجاہدہ و ریاضت اِصلاحِ قلب کو زیادہ دُشوار خیال کرتے ہیں اور اَربابِ بصیرت اُس کی اصلاح کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔‘‘ (منہاج العابدین: ص ۱۶۴)

امام غزالیؒ مزید فرماتے ہیں: ’’قلب ایک قلعہ ہے اور شیطان دُشمن ہے اور وہ چاہتا ہے کہ قلعہ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لے۔ دُشمن سے قلعہ کی حفاظت تب ہی ہوسکتی ہے کہ اس کے دروازوں کی حفاظت کی جائے اور تمام گزرگاہوں کو بچایا جائے۔ جو شخص حفاظت کرنا نہ جانتا ہو‘ وہ حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وسواسِ شیطانی سے دل کی حفاظت کرنا واجب ہے‘ بلکہ یہ کام ہر مکلّف پر بھی واجب ہوتا ہے‘ جب تک شیطانی گزرگاہوں سے واقف نہ ہو تب تک شیطان کو دور نہیں کر سکتا‘ اس لیے ان گزرگاہوں کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور ان دروازوں سے آگاہ ہونا بھی واجب ہے۔ یہی بندے کی صفات ہیں اور یہ کئی ایک ہیں‘ مثلاً:

۱۔ غضب وشہوت: غضب وشہوت انسانی عقل پر جِناتی اثر کی طرح ہے۔ جب عقل کمزور ہو تو شیطانی لشکر حملہ آور ہوتا ہے اور جب انسان غصہ کرتا ہے تو شیطان اس کے ذریعہ سے اپنا کھیل کھیلتا ہے‘ جیسا کہ بچّے گیند سے کھیلتے ہیں۔

۲۔ حسد وحرص: ان دونوں کی وجہ سے انسان ہر چیز کا حریص بن جاتا ہے۔ یہ چیزیں اسے لالچی اور اندھا بنا دیتی ہیں۔ اب شیطان کو موقع ملتا ہے‘ حرص کے وقت وہ شہوت تک پہنچ جاتا ہے‘ چاہے کس قدر بُرا اور بے حیائی کا کام ہو۔

۳۔ سیر ہو کر کھانا: سیر ہو کر کھانے سے‘ اگرچہ وہ حلال اور پاک ہو‘ شہوات کو قوت حاصل ہوتی ہے اور یہ شیطان کے ہتھیار ہیں۔

۴۔ مکان‘ لباس اور سامانِ خانہ کی زینت کا غلبہ: شیطان جب انسان کے دل میں مکان‘ لباس اور سامانِ خانہ کی زینت کا غلبہ دیکھتا ہے تو اس کو بڑھاتا ہے۔ وہ اسے ہمیشہ مکان بنانے‘ اس کی چھتیں‘ دیواریں سجانے اور عمارات کو وسیع کرنے میں لگائے رکھتا ہے۔ اس کے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ تیری عمر بہت لمبی ہے‘ تجھے ابھی موت نہیں آنی۔ جب وہ ان کاموں میں گھر

گیا تو اب دوبارہ اس کے پاس اسے آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اب بعض کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اسی حالت میں مرجاتے ہیں کہ وہ شیطان کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں' خواہشات کے مطیع ہوتے ہیں۔ اس سے انجام خراب ہونے کا بھی ڈر ہوتا ہے۔''

دنیا: ایک دارالامتحان

دنیا دارالامتحان ہے۔ یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے' اس کو ہم اپنی مرضی کی مطابق نہیں گزار سکتے۔ ہر کام میں دیکھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے اور حضورﷺ کا کیا طریقہ ہے! زندگی کا انجام موت ہے اور موت اُس زندگی کی ابتدا ہے جو اصل اور ابدی ہے' لہٰذا اس دنیا میں انسان کی ابدی زندگی سنوارنے کے لیے دو طریقے ہیں۔ اول دل اور دوم جسم۔ دل جسم کا بادشاہ ہے۔ اگر وہ سنور گیا تو پورا جسم یا یوں کہیے پوری زندگی سنور گئی اور اگر وہ خراب یا فاسد ہوگیا تو پوری زندگی خراب ہوجائے گی۔ دل کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے۔ دل احساسات کی کائنات ہے۔ دل مسکن الٰہی ہے۔ انبیاء کرام ؑ اور اولیاء کرامؒ نے ہمیشہ لوگوں کے دلوں پر محنت کی۔ اللہ تعالیٰ بندہ مؤمن کے دل میں اپنے سوا کسی غیر کی محبت' خوف' امید اور یقین نہیں دیکھنا چاہتے۔

ایمان دل کی کیفیت کا نام ہے اور جسم سے اس کا ظہور اطاعتِ الٰہی کی صورت میں ہوتا ہے۔ جس طرح رات دن کا فرق ہے' اسی طرح نور وظلمت کا فرق ہے۔ نورِ حقیقی کے ظاہر ہوجانے کے بعد (یعنی اپنے اعمال نظر آجانے کے بعد) رات اور دن کے فرق کی طرح دین اور دنیا کا فرق معلوم ہوگا۔ دن کی روشنی اعمال میں کامیابی دکھاتی ہے۔ دنیا کی چیزوں سے متنفر کرتی اور صراطِ مستقیم کا راستہ دکھاتی ہے۔ سورج کی روشنی بغیر محنت کے آجائے گی۔ لیکن اعمال دکھانے والی روشنی محنت سے آتی ہے اور جب یہ روشنی نصیب ہوگئی تو پھر مطلب حاصل ہوگا۔ اس روشنی کے حصول کے بعد ایک مسلمان نہ سود کے نزدیک جائے گا' نہ کسی کو دھوکا دینے کا سوال پیدا ہوگا اور نہ رشوت یا دیگر منکرات کے قریب جائے گا۔ جو کام کرے گا مرضئ مولیٰ کی خاطر کرے گا۔ اگر کسی کو دوست بنائے گا تو بھی اسی کی مرضی مطلوب ہوگی اور اگر کسی کو دشمن سمجھے گا تو بھی اسی کی رضا کے لیے۔ کسی کو عطا کرے گا تو بھی اسی کی رضا کے لیے اور کسی سے ہاتھ روکے گا تو بھی اسی کی رضا کے لیے۔

حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ)) (رواہ ابوداود)

''جو شخص اللہ کے لیے محبت رکھے اور اللہ کے لیے بغض رکھے اور اللہ ہی کے لیے کوئی چیز دے اور اللہ ہی کے لیے روکے (نہ دے) تو اُس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔''

ایک بزرگ کا ارشاد ہے:

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ   دہ چیز بروں کن از درونِ سینہ
حرص واَمل وغضب دروغ وغیبت   بخل و حسد و ریا و کبر و کینہ
خواہی کہ شدی منزلِ قربِ مقیم   نُہ چیز بنفسِ خویش فرما تعلیم
صبر وشکر و قناعت وعلم ویقین   تفویض و توکّل و رضا و تسلیم

''اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دل مثل آئینہ کے صاف وشفاف ہوجائے تو دس چیزوں کو اپنے دل سے نکال دے۔ وہ دس چیزیں یہ ہیں: حرص' طولِ امل (لمبی آرزو)' غصہ' جھوٹ' غیبت' حسد' کنجوسی' ریاکاری' تکبر اور کینہ۔ (یہ چند بہت ہی قابلِ توجہ امراض قلب ہیں' جن سے اور بہت سی باطنی بیماریاں بلکہ ظاہری بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں) اور اگر چاہتا ہے کہ قربِ الٰہی حاصل ہو تو نو چیزیں اپنے نفس میں پیدا کر: صبر' شکر' قناعت' علم' یقین' تفویض (ذمہ داری)' توکّل' رضا اور تسلیم۔''

حاصل کلام

باطنی یا قلبی اصلاح سے مراد دل کا کینہ وحسد سے پاک ہو جانا' نفاق کی بیماری سے شفایاب ہو جانا' گناہوں کی آلودگی سے دور ہو جانا' کردار کی کجی رفع ہو جانا' توبہ واصلاحِ احوال سے دلوں کی پاکی کا بحال ہو جانا' نیکی وتقویٰ کی راہ پر گامزن ہو جانا اور دلوں سے میل اور کدورتوں کا دور ہو جانا وغیرہ ہے۔

قلب کی اصلاح کے لیے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں اور بری صحبت سے مکمل اجتناب کریں۔ باوضو رہیں اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھیں۔ فرض نمازیں تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ حرام' فضول' بے ہودہ اور مشتبہ امور سے اجتناب کریں۔ رزقِ حلال خود بھی کھائیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی کھلائیں۔ ان شاء اللہ' اس سے جلد

قلب کی حالت میں تغیر محسوس ہوگا اور دل کی دنیا بدلنا شروع ہو گی۔ زیادہ وقت قرآن کریم کی تلاوت‘ ترجمہ اور تفسیر کو دیں‘ اس سے قلوب بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝٤﴾ (الانفال)

”پس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ تازہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔ وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے ایمان والے ہیں‘ ان کے رب کے ہاں ان کے لیے بڑے درجات اور بخشش ہے اور عزت کا رزق ہے۔“

سیرت النبی ﷺ اور احادیث کے مطالعہ کا بھی اپنے اندر ذوق پیدا کریں‘ اس سے بہت نفع ہوگا۔ چند دعائیں نقل کی جاتی ہیں‘ اپنی دعاؤں میں ان کو بھی شامل کریں۔

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝٨﴾ (آل عمران)

”اے ربّ ہمارے! جب تُو ہم کو ہدایت کر چکا تو ہمارے دلوں کو نہ پھیر اور اپنے ہاں سے ہمیں رحمت عطا فرما۔ بے شک تو بہت زیادہ دینے والا ہے۔“

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ (سنن الترمذی)

”اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔“

اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ (مسلم‘ نسائی)

”اے اللہ! دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔“

(([أَسْأَلُكَ] اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ‘ وَنُوْرَ بَصَرِيْ‘ وَجِلَاءَ حُزْنِيْ‘ وَذَهَابَ هَمِّيْ)) (ابن احبان‘ حاکم‘ طبرانی)

”(اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں) کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار اور میری آنکھ کا نور اور میرے غم کی کشائش اور میرے تفکرات کی دوری کا ذریعہ بنا دے۔“

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْاَلُكَ قُلُوْبًا اَوَّاهَةً مُّخْبِتَةً فِيْ سَبِيْلِكَ (کنز العمال)

”اے اللہ! ہم تجھ سے مانگتے ہیں ایسے دل جو متاثر ہوں اور بہت عاجزی کرنے والے ہوں اور بہت رجوع کرنے والے ہوں تیری راہ میں۔“

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ‘ وَ عَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ‘ وَ لِسَانِيْ مِنَ الْكَذِبِ‘ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ‘ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

”اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے‘ میرے عمل کو ریا سے‘ میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک کر دے‘ کیونکہ تُو آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے اندر چھپی باتوں کو خوب جانتا ہے۔“

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ اِيْمَانًا دَائِمًا‘ وَاَسْاَلُكَ قَلْبًا خَاشِعًا‘ وَاَسْاَلُكَ يَقِيْنًا صَادِقًا‘ وَاَسْاَلُكَ دِيْنًا قَيِّمًا‘ وَاَسْاَلُكَ الْعَافِيَةَ مِنْ كُلِّ بَلِيَّةٍ‘ وَاَسْاَلُكَ دَوَامَ الْعَافِيَةِ‘ وَاَسْاَلُكَ الشُّكْرَ عَلَى الْعَافِيَةِ‘ وَاَسْاَلُكَ الْغِنٰى عَنِ النَّاسِ (کنز العمال)

”اے اللہ! مَیں تجھ سے طلب کرتا ہوں ہمیشہ رہنے والا ایمان‘ اور تجھ سے طلب کرتا ہوں خشوع والا دل‘ اور تجھ سے طلب کرتا ہوں سچا یقین‘ اور تجھ سے طلب کرتا ہوں دینِ مستقیم‘ اور تجھ سے طلب کرتا ہوں ہر بلا سے امن‘ اور تجھ سے طلب کرتا ہوں ہر امن کا دوام‘ اور تجھ سے طلب کرتا ہوں امن پر توفیقِ شکر‘ اور تجھ سے طلب کرتا ہوں خلق کی طرف سے بے نیازی۔“ (آمین یا ربّ العالمین!)

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا

کا ربُّ العالمین سے خصوصی تعلق

اخذ و ترتیب: سعادت محمود

تاریخ انسانی میں بہت سی خواتین کو اللہ تعالیٰ نے مختلف اعزازات سے نوازا ہے‘ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ‘ حضرت مریم‘ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ‘ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ اسی سلسلے میں ایک منفرد اعزاز صحابیہ رسول حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے حصے میں آیا۔ وہ خود فرماتی ہیں: ’’اللہ کی قسم! اس سورۃ (سورۃ المجادلہ) کی ابتدائی چار آیات میرے اور میرے خاوند اوس بن صامت (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں اُتری ہیں۔ مَیں ان کے گھر میں تھی۔ یہ بڑی عمر کے تھے اور کچھ چڑچڑے بھی ہو گئے تھے۔ ایک دن باتوں کے دوران مَیں نے ان کی کسی بات سے اختلاف کیا اور انہیں کچھ جواب دیا۔ اس پر وہ بڑے غضب ناک ہوئے اور غصے میں کہنے لگے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ یہ کہہ کر وہ گھر سے باہر چلے گئے اور کسی مجلس میں کچھ دیر بیٹھے رہے۔ پھر گھر آئے اور مجھ سے ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہا۔ مَیں نے کہا: اُس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں خولہ کی جان ہے‘ تمہارے اس طرح کہنے (یعنی ظہار کرنے) کے بعد اب یہ بات ناممکن ہے‘ یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمارے بارے میں فیصلہ نہ ہو جائے۔ وہ نہ مانے اور زبردستی کرنے لگے۔ چونکہ وہ کمزور اور ضعیف تھے تو مَیں ان پر غالب آ گئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مَیں اپنی پڑوسن کے ہاں گئی اور اس سے کپڑا مانگ کر اوڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچی۔ اس واقعہ کو بھی بیان کیا اور اپنی دوسری مصیبتیں اور تکلیفیں بھی بیان کرنا شروع کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی فرماتے جاتے تھے: اے خولہ! اپنے خاوند کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ جب وحی

اُتر چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے خولہ! تمہارے اور تمہارے خاوند کے بارے میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیات پڑھ کر سنائیں:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـىِٕيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④﴾

’’اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپؐ سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے۔ اللہ آپ دونوں کی گفتگو سن رہا ہے۔ وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظِہار کرتے ہیں ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظِہار کریں‘ پھر اپنی بات سے رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی‘ تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور جو شخص غلام نہ پائے‘ وہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں۔ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘

محترم طالب ہاشمی نے تذکارِ صحابیات میں یہ قصہ تفصیل سے لکھا ہے:

’’ظہار کرنے کے بعد جب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کا غصہ اترا تو سخت پریشان ہوئے کہ مَیں یہ کیا حرکت کر بیٹھا ہوں۔ اب گھر کو بچانے کی کیا صورت ہو‘ حضرت خولہؓ بھی

دم بخود بیٹھی تھیں۔ جب حضرت اوسؓ نے ان کے سامنے ندامت کا اظہار کیا تو بولیں: گو تم نے طلاق نہیں دی لیکن مَیں نہیں کہہ سکتی کہ یہ الفاظ کہنے کے بعد تمہارے اور میرے درمیان میاں بیوی کا رشتہ باقی رہ گیا ہے یا نہیں۔ تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور اس بات کا فیصلہ کرواؤ۔‘‘

طالب ہاشمی صاحب کے مطابق:

’’حضرت اوسؓ نے کہا: مجھے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کرنے سے شرم آتی ہے۔ اللہ کے واسطے تم ہی ہادیٔ برحق سے اس کے متعلق فیصلہ پوچھ کر آؤ۔ اس پر حضرت خولہؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں (یہاں عورت کی سمجھ داری‘ اس پر ڈٹ جانے کی کیفیت اور بے باکی قابلِ غور ہے)۔‘‘

حضرت خولہ ؓ جب حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچیں تو آپؐ اس وقت حضرت عائشہ صِدیقہ ؓ کے حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت خولہؓ نے سارا قصہ بیان کر کے عرض کیا:

’’یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان‘ کیا میری اور میرے بچوں کی زندگی کو تباہی سے بچانے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟ مختلف روایات میں رسول اللہ ﷺ کے مختلف جوابات منقول ہیں:

(۱) تم اس پر حرام ہوگئی ہو۔

(۲) میرے خیال میں تم اس پر حرام ہوگئی ہو۔

(۳) اس مسئلے میں ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں آیا۔

محسوس ہوتا ہے کہ اُنؓ کے بار بار اصرار پر حضور اکرم ﷺ ان کو مختلف جواب دیتے رہے۔

سرورِ عالم ﷺ کے جواب سن کر حضرت خولہؓ نالہ و فریاد کرنے لگیں اور بار بار حضور ﷺ سے عرض کرنے لگیں کہ اوسؓ میرا ابن عم (چچا کا بیٹا) ہے۔ اس کی تند مزاجی اور بڑھاپے کا حال آپؐ پر روشن ہے۔ اُس نے غصہ میں آکر ایسی بات کہہ دی ہے جس کے بارے میں مَیں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ طلاق نہیں ہے۔ خدارا کوئی ایسی صورت بتائیں کہ میری اور میرے بوڑھے شوہر اور بچوں کی زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے۔

سرورِ عالم ﷺ اپنی رائے پر قائم رہے‘ لیکن حضرت خولہؓ مایوس نہ ہوئیں اور برابر آپ ﷺ کو قائل کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔ پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی:

’’اے مولائے کریم! میں تجھ سے اپنی سخت ترین مصیبت کی فریاد کرتی ہوں۔ اے اللہ! جو بات ہمارے لیے رحمت کا باعث ہو‘ اپنے نبی ﷺ کی زبان سے اسے ظاہر فرما۔‘‘

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ یہ منظر اتنا دردناک تھا کہ مَیں اور گھر کے سارے لوگ اشک بار ہو گئے۔ حضرت خولہ ؓ کا اصرار جاری تھا کہ یکایک رحمت عالم ﷺ پر نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ذرا ٹھہرو! شاید اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ حضرت خولہؓ کے لیے یہ سخت امتحان کی گھڑی تھی۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر فیصلہ ان کے خلاف ہوا تو شاید اس صدمہ سے وہ جانبر نہ ہوسکیں۔ لیکن جب حضور ﷺ کی طرف دیکھا تو آپؐ کو متبسّم پایا۔ اس سے ان کے دل کو قرار آ گیا اور وہ فیصلہ سننے کے لیے کھڑی ہوگئیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ’’خولہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارا فیصلہ کر دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سورۃ المجادلہ شروع سے آخر تک پڑھی۔ اس کی پہلی ہی آیت ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَا﴾ حضرت خولہ ؓ کے بارے میں تھی۔

سورۃ المجادلہ کی تفسیر میں سیّد قطبؒ کی تفسیر ’’فی ظلال القرآن‘‘ (اردو ترجمہ) سے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

اس سورۃ میں ہم مشاہدہ کریں گے کہ اس جماعت (صحابہ کرام ؓ) پر کس طرح اللہ کی طرف سے مسلسل مہربانیاں ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نگرانی میں اس جماعت کو تیار کر رہا ہے۔ اپنے ٹھوس منہاج (طریقہ کار) کے مطابق اس جماعت (صحابہؓ) کی تربیت فرما رہا ہے۔ اسے یہ شعور اور احساس بھی دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہر لحظہ تمہارے شاملِ حال ہے۔ اس جماعت کے دل میں یہ یقین پیدا کیا جا رہا ہے کہ اللہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے اور وہ (اللہ) مشکل ترین حالات میں بھی تمہاری دستگیری کر رہا ہے۔ اُنگلی پکڑ کر دشوار گزار راہوں سے تمہیں گزار رہا ہے۔ وہ (اللہ) جہاں تمہارے بڑے بڑے معاملات کو دیکھ رہا ہے‘ وہیں تمہارے چھوٹے چھوٹے معاملات کو بھی وہ دیکھ رہا ہے۔ تمہاری نیتوں کو بھی وہ دیکھ رہا ہے۔ تم اس کی نگرانی اور حفاظت میں ہو۔‘‘

اس کے بعد سیّد قطبؒ لکھتے ہیں:

’’اس سورۃ کا آغاز اُس دور کی ایک عجیب تصویر سے ہوتا ہے۔ انسانی تاریخ کے اُس منفرد دَور میں آسمان زمین کے ساتھ آملا تھا۔ (یہاں ایک عمومی غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ اکثر ایسے الفاظ سے یہ تأثر بن جاتا ہے کہ شاید یہ کیفیت اسی وقت کے لیے تھی۔

آسمان تو زمین کے ساتھ ازل سے جڑا ہوا ہے اور ابد تک جڑا رہے گا۔)''

اسی بات کو علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے۔ ؎

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر' اٹھتے ہیں حجاب آخر

اور مولانا ظفر علی خان نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی!

اس تصویر میں آسمان اور زمین کے درمیان' عالمِ بالا اور انسانوں کے درمیان براہِ راست رابطہ نظر آتا ہے اور یہ رابطہ بالکل ظاہر اور محسوس ہے۔ عالمِ بالا اسلامی معاشرے کے روزمرّہ کے معاملات میں شریک ہے اور یہ شرکت بالکل عیاں ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ ایک چھوٹے سے خاندان (حضرت خولہ ؓ) کے روزمرّہ کے معاملات میں سے ایک معاملے میں عالمِ بالا سے مداخلت ہوگئی —— اس خاندان کے لیے بڑی مشکل صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے معاملے میں اللہ کا فیصلہ آجاتا ہے۔ اور یہ متذکرہ بالا آیات نازل ہوتی ہیں کہ اللہ نے اُس (خاندان کی) عورت کی بات سن لی تھی جو حضورِ اکرم ﷺ سے تکرار (جھگڑا) کر رہی تھی اور اللہ سے شکوہ کناں فریاد کر رہی تھی۔ اور صرف بات ہی نہیں سنی بلکہ اُس کے مسئلے کو حل بھی فرما دیا۔

تھوڑا سا غور کریں تو بڑا دلچسپ منظر نامہ بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ''مُجَادَلہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مادہ جدل ہے۔ مترجمین نے اس کا ترجمہ تکرار بھی کیا ہے اور جھگڑا بھی۔ ایسا نہیں ہوا کہ عورت نے آکر مسئلہ پوچھا اور اللہ کے رسول ﷺ نے وحی کی روشنی میں اس کا فیصلہ سنا دیا۔ بلکہ قرآن کے الفاظ دیکھیں:

﴿قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ……﴾

''بے شک اللہ نے سُن لی اُس (عورت) کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپؐ سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے شکوہ کناں' فریاد کیے جاتی ہے''

گویا حضرت خولہ ؓ صرف سوال نہیں کر رہی تھیں' بلکہ تکرار کر رہی تھیں' جسے دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جھگڑ رہی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تکرار اللہ کے رسول ﷺ سے کر رہی تھیں

اور ساتھ ساتھ اللہ کی طرف بھی متوجہ تھیں۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ کہہ رہی تھیں: ''یارسول اللہ ﷺ! میری جوانی تو ان کے ساتھ کٹی' بچے ان سے ہوئے' اب جب کہ مَیں بوڑھی ہوگئی' بال بچوں جوگی نہ رہی تو میرے میاں نے مجھ سے ظہار کرلیا۔ اے اللہ! مَیں تیرے سامنے اپنے اس دکھڑے کا رونا روتی ہوں۔ اگر ہم علیحدہ ہوگئے تو ہم دونوں برباد ہوجائیں گے……'' اسی طرح کی اور بھی باتیں کہتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔

صاحبِ تفہیم القرآن سیّد مودودیؒ لکھتے ہیں کہ وہ خاتون اپنے شوہر کے ظِہار کا قصّہ سنا سنا کر بار بار حضور ﷺ سے عرض کر رہی تھیں کہ اگر ہم دونوں میں جدائی ہوگئی تو مَیں مصیبت میں پڑ جاؤں گی اور میرے بچّے تباہ ہوجائیں گے۔ سیّد قطبؒ لکھتے ہیں:

''خولہؓ کی روایت میں یہ اہم بات ہے کہ اس حادثہ یا واقعہ کا پیش آنا' اس میں اس عورت کی کارروائی یعنی رسول اللہ ﷺ تک پہنچنا' اپنی بات پر اصرار' تکرار اور جھگڑا کرنا' پھر اس عورت کے معاملے پر قرآن کا نازل ہونا۔''

ان سب باتوں سے اس زندگی کا ایک نقشہ سامنے آجاتا ہے جو انسانی تاریخ کا یہ منفرد معاشرہ گزار رہا تھا۔ یہ عجیب دور تھا' لوگوں کا براہِ راست رابطہ عالمِ بالا سے قائم تھا۔ وہ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے منتظر رہتے تھے۔ گویا سب لوگ اللہ کا کُنبہ تھے۔ لوگوں کی نظریں عالم بالا پر اس طرح لگی رہتی تھیں جس طرح ایک بچّہ ہر وقت ماں باپ کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔

اسی ضمن میں سورۃ الحدید کی تفسیر میں سید قطبؒ لکھتے ہیں:

''یہ لوگ جو اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) کے ساتھ رہتے تھے' جو اُس کی مخلوق تھے' جن کو اللہ تلقین فرماتا تھا' اور جن کے ساتھ یوں ہم کلام ہوتا تھا' وہ اپنے اندر یہ شدید احساس رکھتے تھے کہ اللہ اُن کے ساتھ ہے اور وہ اللہ کے ساتھ ہیں۔ اُن پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ اللہ رات کی تاریکیوں میں بھی اُن کی فریادیں سن رہا ہے اور اُن کو قبول کرتا ہے۔ قدم قدم پر اُن کی رہنمائی کرتا ہے اور اُن کی طرف متوجہ ہے۔ اگر ہمارے آج کے گئے گزرے دَور میں کوئی اس قسم کے تصور کو اپنے ذہن میں جمائے اور بسائے ہوئے ہو تو یہ اُس فضل سے بھی بڑا فضل ہے۔ اس لیے کہ یہ بات زیادہ قابلِ قدر ہے کہ

کوئی شخص دَورِ صحابہؓ سے دُور پندرھویں صدی میں یہ تصور رکھتا ہو۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صحابہ کرام ؓ سے فرمایا کہ تمہارے نزدیک کون سا مومن قابلِ تعجب اور صاحبِ فضل و کرم ہے؟ تو صحابہؓ نے عرض کیا: ''فرشتے!'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''وہ کیوں کر نہ ایمان لائیں گے' وہ تو ہیں ہی اپنے ربّ کا پاس۔'' اس کے بعد صحابہؓ نے کہا: ''انبیاءؑ!'' تو آپؐ نے فرمایا: ''وہ کس طرح ایمان نہ لائیں جبکہ اُن پر وحی نازل ہورہی ہے''۔ اس کے بعد صحابہؓ نے کہا کہ پھر ''ہم لوگ؟'' تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم کیوں کر ایمان نہ لاؤ' جبکہ مَیں تمہارے درمیان موجود ہوں۔'' پھر حضور ﷺ نے فرمایا: ''بلکہ ایمان کے لحاظ سے قابلِ تعجب اور افضل ترین لوگ وہ ہیں جو تمہارے بعد ہوں گے۔ اُن کے پاس صرف صحیفے ہوں گے اور وہ اُن کے اندر پائی جانے والی تعلیمات پر ایمان لائیں گے۔''

یہ تحریر لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے قرآن کے ساتھ تعلق جوڑنے والے اور اپنے معاملات میں قرآن سے رہنمائی لینے والے بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ تو آج بھی ہر نماز کی ہر رکعت میں ہم سے یہ کہلواتا ہے: سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ''اللہ نے سن لی (اُس بندے کی بات) جس نے اُس کی حمد کی''۔ بس غور کرنے والا دل چاہیے۔ کبھی ہم بھی نماز میں ان الفاظ کو ان کی روح کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کریں۔ آمین!

حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ کا مقام

اب دیکھیں کہ حضرت خولہ ؓ کا اِس واقعے کے بعد کیا مقام بن گیا تھا۔ سیّد مودودیؒ تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

''یہ خاتون جن کے معاملہ میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں' قبیلۂ خزرج کی خولہؓ بنت ثعلبہ تھیں۔ اور اُن کے شوہر اوسؓ بن صامت انصاری' قبیلہ اَوس کے سردار حضرت عبادہؓ بن صامت کے بھائی تھے ...... یہاں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اِن صحابیہ کی فریاد کا بارگاہِ الٰہی میں مسموع ہونا اور فوراً ہی وہاں سے اُن کی فریاد رسی کے لیے فرمانِ مبارک کا نازل ہوجانا ایک ایسا واقعہ تھا جس کی وجہ سے صحابۂ کرام ؓ میں اُن کو ایک خاص قدر و منزلت حاصل ہوگئی تھی۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر ؓ کچھ اصحاب کے ساتھ کہیں جارہے تھے۔ راستہ میں ایک عورت ملی اور اُس نے اُن کو روکا۔ آپؓ فوراً رُک گئے۔ سر جھکا کر دیر تک اُس کی بات سنتے رہے اور

جب تک اُس نے بات ختم نہ کر لی آپؓ کھڑے رہے۔ ساتھیوں میں سے ایک صاحب نے عرض کیا: امیر المؤمنین! آپ نے قریش کے سرداروں کو اِس بڑھیا کے لیے اتنی دیر روکے رکھا۔ فرمایا: جانتے بھی ہو یہ کون ہے؟ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہے۔ یہ وہ عورت ہے جس کی شکایت سات آسمانوں پر سنی گئی۔ خدا کی قسم! اگر یہ رات تک مجھے کھڑا رکھتی تو مَیں کھڑا رہتا' بس نمازوں کے اوقات پر اس سے معذرت کر دیتا۔''

ابن عبدالبر نے استیعاب میں قتادہ کی روایت نقل کی ہے کہ یہ خاتون راستہ میں حضرت عمر ؓ کو ملیں تو آپؓ نے ان کو سلام کیا۔ یہ سلام کا جواب دینے کے بعد کہنے لگیں۔ ''او ہو اے عمر! ایک وقت تھا جب مَیں نے تم کو بازارِ عُکاظ میں دیکھا تھا۔ اُس وقت تم عُمَیر کہلاتے تھے۔ لاٹھی ہاتھ میں لیے بکریاں چراتے پھرتے تھے۔ پھر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ تم عمرؓ کہلانے لگے۔ پھر ایک وقت آیا کہ تم امیر المؤمنین کہے جانے لگے۔ ذرا رعیت کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ جو اللہ کی وعید سے ڈرتا ہے اس کے لیے دُور کا آدمی بھی قریبی رشتہ دار کی طرح ہوتا ہے' اور جو موت سے ڈرتا ہے اس کے حق میں اندیشہ ہے کہ وہ اُسی چیز کو کھودے گا جسے وہ بچانا چاہتا ہے۔ اس پر جارود عبدی' جو حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے' بولے: اے عورت! تُو نے امیر المؤمنین کے ساتھ بہت زبان درازی کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''انہیں کہنے دو' جانتے بھی ہو یہ کون ہیں؟ ان کی بات تو سات آسمانوں پر سنی گئی تھی' عمر کو تو بدرجۂ اولیٰ سننی چاہیے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے پروردگار سے ایسا تعلق قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس طرح کا تعلق حضرت خولہ بنت ثعلبہ ؓ نے اپنے رب سے استوار کر لیا تھا۔ آمین یا ربّ العالمین!

❁❁❁

جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت' اہمیت و لزوم اور مراحل و مدارج
بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

وقت: ایک گراں مایہ دولت

حافظ محمد اسد*

موت اور زندگی کا درمیانی وقفہ وہ مہلتِ عمر ہے جو ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہے۔ مؤمن و کافر' امیر و غریب' عالم و جاہل ہر ایک کو اللہ نے اس نعمت سے نوازا ہے۔ انسان کو اس دنیا میں جتنی بھی مہلت عمر ملی ہے اسی کا دوسرا نام ''وقت'' ہے۔ اس وقت کو اس کے صحیح مصرف میں گزارنا ہی فہم و فراست کی علامت ہے۔ جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے' وہ وقت نہیں گزارتے بلکہ وقت ان کو گزار دیتا ہے۔ کسی دانا کا قول ہے: ''وقت کو کاٹو ورنہ یہ تم کو کاٹ دے گا!'' وقت تو برف کی طرح پگھلتا جا رہا ہے' اگر اسے صحیح طرز پر استعمال نہ کیا گیا تو سوائے حسرت اور افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

ہمارے اسلاف و علماء کرام نے علمی و عملی زندگیوں میں جو اعلیٰ مقام حاصل کیا اور جن کی زندگیاں ایک ادارے کی شکل میں آج بھی دنیا کے افق پر علم و فضل کی شمع بن کر روشن و تاباں ہیں' انہوں نے وقت کو اپنے مٹھی میں تھام کے رکھا تھا۔ ان کی عالی ہمت اور جذبہ و شوق کا اندازہ ان کی عملی خدمات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی نظر میں وقت کی کتنی اہمیت تھی۔ آج کے ترقی یافتہ اور تیز رفتار دور میں دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ عموماً وقت کی قدر و قیمت نہیں پہچانتے۔ شاید انہیں معلوم نہیں کہ انسان کے ہاتھ میں اصلی دولت وقت ہی ہے' جس نے اسے ضائع کر دیا' اس نے سب کچھ ضائع کر دیا۔

آج ہماری زندگی میں آلاتِ جدیدہ مثلاً کمپیوٹر' انٹرنیٹ' موبائل اور ٹیلی ویژن وغیرہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور یہ بہت مفید چیزیں ہیں۔ دیکھا جائے تو ان کے صحیح استعمال سے بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں' لیکن ان کا غیر ضروری استعمال بہت سا قیمتی وقت ضائع کرنے کا سبب بھی بنتا ہے۔ لہٰذا ان کو ضرورت کی حد تک ہی استعمال کرنا چاہیے اور ہر وقت انہی میں مگن رہ کر

* نقیب اسرہ ملیر' کراچی

اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔

ہمارا وقت اس لیے بھی درست طریقے پر استعمال نہیں ہو پاتا کہ ہمارے کھانے پینے' سونے جاگنے کے نظام الاوقات بے ترتیبی کا شکار ہو گئے ہیں۔ راتوں کو دیر تک جاگنے اور فضول و لایعنی کاموں میں ہمہ وقت مشغول رہنے کے سبب نیند پوری نہیں ہوتی۔ اس کا لازمی نتیجہ طبیعت کی اُکتاہٹ اور کام میں دل و دماغ کے حاضر نہ ہونے کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے اور پھر گھنٹے بھر کا کام دو' تین گھنٹوں میں ہوتا نظر آتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وقت کو پہیے لگے ہوئے ہیں۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو نظام الاوقات کی بے ترتیبی ہی اس کا اصل سبب ہے۔

قرآن و سنّت میں وقت کی اہمیت مختلف پہلوؤں سے بتائی گئی ہے۔ قرآن کریم اس کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے اسے عطیۂ خداوندی قرار دیتا ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۗ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۗ﴾ (ابراھیم)

''اور اللہ ہی نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں' اور رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ اور اُس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے اُس سے مانگا۔ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔''

اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی وقت کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِغْتَنِمْ خَمسًا قَبْلَ خَمسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ))

(الترغيب والترهيب)

''پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت شمار کرو: اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے' اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے' اپنی مالداری کو اپنی تنگدستی سے پہلے' اپنی فراغت کو اپنی مشغولیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔''

کہا جاتا ہے ''گیا وقت دوبارہ ہاتھ نہیں آتا'' اس لیے انسان کو چاہیے کہ اپنا وقت ضائع ہونے سے بچائے۔ کوئی کام بھی بغیر منصوبہ بندی کے درست نہیں ہوتا۔ وقت کا استعمال بھی یہ تقاضا کرتا ہے کہ پہلے سے متعین کر لیا جائے کہ کیا کیا کام کس ترتیب سے کرنے ہیں۔ آج دنیا

بھر کے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ وقت کی ناقدری کرتے ہیں‘ جس کی وجہ سے وقت اور زمانہ بھی ان کی ناقدری کرنے لگا ہے۔ جو قومیں ایک ایک پَل کا حساب کرتی ہیں‘ ایک ایک لمحہ کو سیم وزر سے زیادہ قیمتی شے گردانتی ہیں وہ قومیں آگے بڑھ رہی ہیں۔ مغربی دنیا کے ہر ملک میں وقت کے سرمایہ کی ایک خزانہ کی طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ ہر کوئی اپنے اپنے دفاتر‘ کارخانے‘ اسکول اور اداروں میں وقت سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے‘ جس کی وجہ سے وقت کا صحیح استعمال ہوتا ہے اور ایک ایک لمحہ بھی ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔

دنیا بھر کے مسلمان صرف مسجدوں میں نماز وقت پر پڑھتے ہیں‘ مسجد کے باہر ان کا قیمتی وقت بے کار اور فضول کاموں میں صَرف ہوتا نظر آتا ہے۔ ان کا ہر کام تاخیر سے ہونے لگا ہے۔ وقت کا بہت بڑا سرمایہ یا خزانہ وہ بے دردی کے ساتھ ضائع کرنے لگے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ نپولین بونا پارٹ صرف پانچ منٹ دیر سے پہنچنے کی وجہ سے ’واٹرلو‘ کی جنگ ہار گیا تھا۔

اہمیتِ وقت: قرآن وسُنّت کی روشنی میں

وقت کی اہمیت بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے متعدد مکی سورتوں کے آغاز میں اس کی قسمیں کھائی ہیں‘ مثلاً:

﴿وَالۡفَجۡرِ ① وَلَيَالٍ عَشۡرٍ ②﴾ (الفجر)

’’قسم ہے فجر کی‘ اور دس راتوں کی۔‘‘

﴿وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ① وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ②﴾ (اللیل)

’’قسم ہے رات کی جب کہ وہ چھا جائے۔ اور قسم ہے دن کی جبکہ وہ روشن ہو۔‘‘

﴿وَالضُّحٰى ① وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى ②﴾ (الضحیٰ)

’’قسم ہے روز روشن کی‘ اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے۔‘‘

﴿وَالۡعَصۡرِ ① اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍ ②﴾ (العصر)

’’زمانے کی قسم! انسان درحقیقت خسارے میں ہے۔‘‘

اس ضمن میں یہ نوٹ کر لیں کہ یہ بات مفسرین اور اہلِ علم کے نزدیک معروف ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو صرف اس لیے کہ لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرے اور اس کے عظیم فائدوں اور اثرات سے آگاہ کرے۔

قرآن حکیم کی طرح سُنّتِ نبوی ﷺ نے بھی وقت کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت پر زور دیا ہے اور قیامت کے دن خدا کے حضور انسان کو وقت کے متعلق جواب دہ قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ حساب کے دن جو بنیادی سوالات ہر انسان سے پوچھے جائیں گے ان میں سے دو کا تعلق وقت سے ہے۔ حضرت ابن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ ، وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ ، وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَ فِيْمَا اَنْفَقَهٗ ، وَ مَا ذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ)) (سنن الترمذی‘ کتاب صفة القيامة والرقائق‘ باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص)

’’قیامت کے دن کوئی بھی شخص اپنی جگہ سے ہل نہ سکے گا تا آنکہ پانچ سوالوں کا جواب نہ دے لے: یعنی عمر کہاں گزاری؟ جوانی کس کام میں کھپائی؟ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟‘‘

انسان سے اس کی عمر کے بارے میں عمومی طور پر اور جوانی کے بارے میں خصوصی طور پر سوال کیا جائے گا۔ اگرچہ جوانی بھی عمر ہی کا ایک حصہ ہے‘ لیکن اس کی ایک نمایاں حیثیت ہے۔ اس لیے کہ یہ جوش وولولہ‘ عزم وحوصلہ اور کچھ کر گزرنے کی عمر ہوتی ہے‘ اور یہ دو کمزوریاں‘ بچپن اور بڑھاپے کے درمیان طاقت وقوت کا مرحلہ ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ ضُعۡفًا وَّشَيۡبَةً ؕ﴾ (الروم:۵۴)

’’اللہ ہی تو ہے جس نے ضعف کی حالت سے تمہاری پیدائش کی ابتدا کی‘ پھر اس ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی‘ پھر اس کے بعد تمہیں ضعیف اور بوڑھا کر دیا۔‘‘

ہمارے اَسلاف اور حفظِ اوقات

انسانی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان اپنے اوقات کے سلسلے میں اتنے حریص تھے کہ ان کی یہ حرص ان کے بعد کے لوگوں کے درہم و دینار کی حرص سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ اسی حرص کے سبب ان کے لیے علمِ نافع‘ عملِ صالح‘ جہاد اور فتح مبین کا حصول ممکن ہوا‘ اور اسی کے نتیجے میں وہ تہذیب وجود میں آئی جس کی جڑیں انتہائی گہری

اور جس کی شاخیں ہر چہار جانب پھیلی ہوئی ہیں۔

ہمارے اسلاف کی زندگی میں اوقات کی اہمیت اور قدر دانی نمایاں طریقہ پر تھی‘ کوئی گھڑی اور لمحہ ضائع نہیں ہوتا تھا۔ یہی وہ چیز تھی جس نے ان کو درجہ کمال پر پہنچایا تھا۔ امام محمد علیہ الرحمہ کے حالات میں لکھا ہے کہ دن رات کتابیں لکھتے رہتے تھے‘ ایک ہزار تک ان کی تصانیف بتائی جاتی ہیں۔ اپنے تصنیف کے کمرے میں کتابوں کے ڈھیر کے درمیان بیٹھے رہتے تھے۔ مشغولیت اس درجہ تھی کہ کھانے اور کپڑے کا بھی ہوش نہ تھا۔ (انوار الباری)

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی مطالعہ گاہ کے تین دروازے تھے‘ ان کے والد نے تینوں دروازوں پر جوتے رکھوائے تھے تاکہ اگر ضرورت کے لیے باہر جانا پڑے تو جوتے کے لیے ایک آدھ منٹ بھی ضائع نہ ہو۔ یہ عالم تھا وقت کی قدر دانی کا! (ہمارے اسلاف اور حفظِ اوقات)

علامہ سیّد صدیق احمد کشمیریؒ اپنی طالب علمی کے زمانے میں صرف روٹی لیتے تھے‘ سالن نہیں لیتے تھے۔ روٹی جیب میں رکھ لیتے تھے‘ جب موقع ہوتا کھا لیتے اور فرماتے کہ روٹی سالن کے ساتھ کھانے میں مطالعہ کا نقصان ہوتا ہے۔ (ہمارے اسلاف اور حفظِ اوقات)

شیخ جمال الدین قاسمیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ شیخ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر فرماتے تھے۔ سفر میں ہوں یا حضر میں‘ گھر میں ہوں یا مسجد میں‘ مسلسل مطالعہ اور تالیف کا کام جاری رکھتے تھے۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے:

’’(یعنی) اللہ ان پر رحم فرمائے‘ ہر وقت لکھتے رہتے تھے۔ کیا دن‘ کیا رات‘ کیا سفر‘ کیا حضر‘ کیا مسجد‘ کیا گھر۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ سوائے دورانِ رفتار کے کسی اور وقت ان کے قلم کو قرار نہیں تھا۔ ان کے جیب میں ایک نوٹ بک اور قلم پڑا رہتا تھا‘ جس کے ذریعہ وہ اپنے منتشر افکار کو محفوظ کر لیتے تھے۔‘‘

جو لوگ بازاروں یا چائے خانوں میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے رہتے تھے‘ ان کو دیکھ کر شیخ قاسمیؒ حسرت فرماتے اور عجیب بات فرماتے۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں:

’’ایک دفعہ وہ قہوہ خانے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے‘ جو لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور لوگ لایعنی اور ٹھٹھے میں مشغول تھے‘ نہایت حسرت کے ساتھ اپنے ایک ساتھی سے فرمایا: آہ! جی یوں چاہتا ہے کہ وقت کوئی ایسی شے ہوتی جو بیچی خریدی جا سکتی تو میں ان سب لوگوں کے اوقات کو خرید لیتا۔‘‘ (اقوال سلف)

شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے یہاں بھی حفاظتِ اوقات کا بڑا اہتمام تھا‘ حتیٰ کہ کھانا کھاتے ہوئے بھی کتابیں پڑھایا کرتے تھے۔ چوبیس گھنٹے کی زندگی مشین کی طرح متحرک رہتی تھی اور کوئی وقت بھی بیکار نہیں جاتا تھا۔ ایک مرتبہ مغرب کے بعد ایک طالب علم حاضر خدمت ہوا‘ حضرت اس وقت کھانا تناول فرما رہے تھے‘ وہ سلام کر کے خاموش گردن جھکا کر بیٹھ گیا‘ حضرت نے فرمایا: نور اللہ! کیوں خاموش بیٹھے ہو؟ عرض کیا: جی نہیں حضرت! قرآن شریف پڑھ رہا ہوں۔ تو فرمایا: ہاں! وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ (ہمارے اسلاف اور حفظ اوقات)

مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نہایت منتظم المزاج اور اصول وضوابط کے پابند تھے۔ کوئی بھی لمحات ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ کھانے پینے‘ سونے جاگنے اور اٹھنے بیٹھنے کے تمام اوقات مقرر تھے‘ جن پر سختی سے عمل فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے وقت میں بڑی برکت عطا فرمائی تھی۔ خود فرماتے ہیں کہ مجھے انضباطِ اوقات کا بچپن ہی سے بہت اہتمام ہے جو اُس وقت سے لے کر اب تک بدستور موجود ہے۔ مَیں ایک لمحہ بھی بے کار رہنا برداشت نہیں کرتا۔

مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے استاذ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی تھانہ بھون تشریف لائے۔ مَیں نے ان کے قیام اور راحت رسانی کے تمام انتظامات کیے۔ جب تصنیف کا وقت آیا تو باادب عرض کیا کہ حضرت مَیں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں‘ اگر آپ اجازت دیں تو کچھ دیر لکھ کر پھر حاضر ہو جاؤں۔ گو میرا دل اس روز کچھ لکھنے میں لگا نہیں‘ لیکن ناغہ نہیں ہونے دیا کہ بے برکتی نہ ہو۔ تھوڑا سا لکھ کر جلد حاضر خدمت ہو گیا۔ حضرت کو تعجب بھی ہوا کہ اس قدر جلد آ گئے۔ عرض کیا حضرت! چند سطریں لکھ لیں‘ معمول پورا ہو گیا۔ (ملفوظاتِ حکیم الاُمت)

حفظِ اوقات کے لیے چند اصول

اسلامی شعائر و آداب وقت کی قدر و قیمت پر زور دیتے ہیں اور اس کی اہمیت و افادیت کو اپنے ہر مرحلہ میں بلکہ ہر جزو میں بھرپور طریقے سے واضح کرتے ہیں اور انسان کے اندر کائنات کی گردش اور شب و روز کی آمد و شد کے ساتھ وقت کی اہمیت کا احساس اور شعور بیدار کرتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے وقت کو بچانے اور بہتر مستقبل کے لیے کچھ اصول و ضوابط متعین کریں۔ اس حوالے سے ذیل میں چند نکات پیش خدمت ہیں:

(۱) شب و روز کے کاموں کے لیے ایک نظام الاوقات مرتب کریں۔

(۲) کون سا عمل کس وقت بہتر طریقے سے ادا ہو سکتا ہے اس کا تعین سوچ سمجھ کر کریں۔

(۳) رات کو جلدی سونے اور صبح جلدی بیدار ہونے میں سُنّتِ رسول ﷺ کی پیروی کو ملحوظ رکھیں۔

(۴) صحت کا خاص خیال رکھیں اور صحت بخش غذائیں استعمال کریں۔

(۵) صبح کے وقت ورزش اور چہل قدمی کو معمول بنائیں۔

(۶) کسی وقت تنہائی میں اپنا احتساب ضرور کریں کہ اب تک کتنا وقت بے کار گزار چکے۔

(۷) ہر ماہ کے آخر میں اپنے متعین کردہ اہداف کا جائزہ لیں کہ کیا کوتاہی رہ گئی اور آئندہ اس کی اصلاح کی فکر رکھیں۔

(۸) رشتے داروں سے ملنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے ضرور وقت نکالیں۔

(۹) اپنی غلطیوں سے سب سے پہلے خود سیکھیں۔ تجربہ ایک ایسا استاد ہے جو سزا پہلے دیتا ہے اور سکھاتا بعد میں ہے۔

(۱۰) قوتِ فیصلہ کی کمی یا فیصلہ کرنے میں مشکل کی صورت میں مسنون طریقے سے خود استخارہ کریں۔

(۱۱) اہم کاغذات کو سلیقے کے ساتھ ایک جگہ پر رکھنے کا اہتمام کریں تاکہ بوقت ضرورت کوئی الجھن پیش نہ ہو۔

(۱۲) غیر ضروری ہنسی مذاق سے گریز کریں‘ اس لیے کہ زیادہ بولنے والے جلد تھک جاتے ہیں اور زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

(۱۳) محنتی‘ صابر‘ صداقت پسند اور وسیع القلب بننے کی کوشش کریں۔ ماتحت افراد سے زیادہ کام کرنا وقار کی بلندی کا سبب ہے۔

(۱۴) اچھے اخلاق اور مسکراتا چہرہ ایسی جادوئی چابیاں ہیں جن سے لوگوں کے دلوں کے بند دروازوں کو باآسانی کھولا جا سکتا ہے۔

(۱۵) ہمیشہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ دوستوں کے انتخاب میں انتہائی احتیاط سے کام لیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے وقت کی قدر و قیمت کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ وقت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر کامیاب انسان یہ کہتا ہے کہ وقت کی قدر کرو اور ہر ناکام انسان بھی یہی کہتا ہے کہ وقت کی قدر کرو! ہمیں چاہیے کہ ہم وقت کی قدر کریں اور اسے

نیک کاموں میں صَرف کریں تاکہ دونوں جہان کی کامیابی ہمارا مقدر بن سکے۔ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رہنی چاہیے کہ وقت کا انتقام بڑا جان لیوا ہوتا ہے‘ جو وقت کی قدر نہیں کرتا وقت اسے زندہ درگور کر دیتا ہے۔ بقول ساحر لدھیانوی ؎

وقت سے دن اور رات‘ وقت سے کل اور آج!
وقت کی ہر شے غلام‘ وقت کا ہر شے پہ راج!
وقت کی پابند ہیں آتی جاتی رونقیں
وقت ہے پھولوں کی سیج‘ وقت ہے کانٹوں کا تاج
آدمی کو چاہیے وقت سے ڈر کر رہے
کون جانے کس گھڑی وقت کا بدلے مزاج!

❁❁❁

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن‘ دروسِ قرآن‘ دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو/ویڈیو کیسٹس/سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

اقبال اور اتّحادِ انسانی

راحیل گوہر صدیقی

ذہن اور مادّے کی ثنویت ہو یا دین و سیاست کی دورنگی‘ اس کے نتیجے میں کبھی وحدتِ فکر حاصل نہیں ہوسکتی۔ مغربی تہذیب کا یہی المیہ ہے انہوں نے مذہب کو سیاست سے بے دخل کر دیا ہے۔ مغربی اور اسلامی تہذیب کے اس فرق و تفاوت کا ذکر کرتے ہوئے ہنٹنگٹن (Samuel P. Huntington) نے لکھا ہے کہ دونوں تہذیبوں کے تصادم کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اسلام دین و سیاست کو وحدت کے روپ میں دیکھتا ہے جبکہ اس کے برعکس مغربی تصور خدا اور قیصر کو الگ الگ اقلیموں میں رکھنا چاہتا ہے۔ اسٹیٹ اور چرچ کی علیحدگی کے باعث تنگ نظر وطنیت کے المیے نے جنم لیا۔ اسی سیکولر زاویۂ نگاہ کے باعث کمزور ممالک پر دست درازی اور ان کے وسائل و اعصاب پر تسلّط کا جنون سوار ہوا۔ ہنٹنگٹن کا کہنا ہے کہ روس کی تحلیل کے بعد اب صرف دو بڑی حریف طاقتیں ایک دوسرے کے مقابل کھڑی ہیں یعنی اسلام اور مغرب۔

علّامہ اقبال نے اُمّتِ مُسلمہ کو ہمہ گیر سطح پر جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی شاعری اُمّتِ مُسلمہ کی ایک جامع تاریخ کے لحاظ سے عدیم المثال شاہکار ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو مختلف زاویوں سے اتحاد و یگانگت کا درس دیا۔ اپنی نظم ”بزم انجم“ میں باہمی اتحاد کو ستاروں سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

اِک عمر میں نہ سمجھے اس کو زمین والے
جو بات پا گئے ہم تھوڑی سی زندگی میں
ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

Email:raheelgoher5@gmail.com

علّامہ اقبال اُمّتِ مُسلمہ کے اتحاد میں مغربی تصوّرِ قومیت کو تباہ کن خیال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رنگ‘ نسل‘ وطن‘ ذات اور برادری اسلامی اتحاد قائم کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اُمّتِ مُسلمہ کا اتحاد وحدتِ مذہب و تمدن پر قائم ہے۔ اس سلسلے میں اقبال نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”قدیم زمانے میں ’دین‘ قومی تھا جیسے مصریوں‘ یونانیوں اور ہندیوں کا۔ بعد میں نسلی قرار دیا گیا‘ جیسے یہودیت۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ دین انفرادی اور پرائیوٹ ہے‘ جس میں انسانوں کی اجتماعی زندگی کی ضامن ’اسٹیٹ‘ ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ ’دین‘ نہ قومی ہے نہ نسلی ہے‘ نہ انفرادی اور نہ پرائیوٹ‘ بلکہ خالصتاً انسانی ہے۔ اور اس کا مقصد با وجود فطری امتیازات کے عالمِ بشریت کو متحد اور منظم کرنا ہے۔“

علّامہ اقبال جس قومیت کے قائل ہیں اس کا دائرۂ اسلام کے اندر ہے اور وہ اس کی بنیاد دینی معتقدات پر رکھتے ہیں۔

قوم مذہب سے ہے‘ مذہب جو نہیں‘ تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں‘ محفلِ انجم بھی نہیں

علّامہ اقبال کے مطابق اسلام کا نصب العین ہی یہ ہے کہ اجتماعیت و اتحاد قائم کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ میں:

لا اسلام الا بالجماعة ، ولا جماعة الا بالامارة ، ولا امارة الا بالطاعة

”جماعت کے بغیر اسلام نہیں‘ اور امارت کے بغیر جماعت نہیں‘ اور اطاعت کے بغیر امارت نہیں۔“

وہ مسلمانوں کو ایک ملّت میں گم ہو جانے کا درس دیتے ہیں اور ایک عالم گیر ملّت کے قیام کی خواہش رکھتے ہیں جس کا خدا‘ رسولﷺ‘ کتاب‘ کعبہ‘ دین اور ایمان ایک ہو۔

منفعت ایک ہے اِس قوم کی‘ نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ‘ دین بھی‘ ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی‘ اللہ بھی‘ قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک!

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

اقبال کہتے ہیں کہ اسلام ایک ازلی‘ ابدی‘ آفاقی اور عالم گیر پیغام ہے۔ اس کا مقصد تمام نوعِ انسانی کو اخوت کی لڑی میں پرونا ہے۔ اسلام ہر قوم اور ملک کے لیے راہِ ہدایت ہے۔ اس لیے اس کے پیروکاروں کو رنگ و نسل اور ملک و وطن کے امتیازات مٹا کر یکجا ہو جانا چاہیے اور دنیا کے لیے ایک عالمگیر برادری کی مثال پیش کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں ”جمعیتِ اقوام“ کے ادارے پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اصل ضرورت انسانوں کے درمیان اُخوت کا جذبہ پیدا کرنا ہے نہ کہ قوموں کو ایک جگہ اکٹھا کرنا۔

علّامہ اقبال نے محسوس کیا کہ اسلامی ملتوں کی مغلوبی اور بے بسی کے باوجود جس کا ذمہ دار غلبۂ فرنگ تھا‘ جدید تعلیم یافتہ طبقے کو مغربی تہذیب سے کوئی منافرت نہیں۔ اگر فرنگ کی طرف سے سیاسی آزادی بھی حاصل ہو جائے تو بھی ان کے قلوب مغرب سے مغلوب و مرعوب ہی رہیں گے۔ اقبال اس ذہنی غلامی کو سیاسی غلامی سے بھی زیادہ مضر اور خطرناک سمجھتے ہیں۔ وہ اس پر یقین رکھتے تھے کہ اگر مسلمان ذہنی طور پر آزاد ہو جائیں اور روحِ اسلام کی پرورش کریں تو وہ سیاسی اور معاشرتی غلامی سے بھی چھٹکارا پالیں گے۔ ایک قسم کی تقلید وہ تھی جس نے دین داروں کو غیر فعال کر کے مذہب کو بے معنی اور استخوانِ بے مغز بنا دیا تھا۔ دوسری طرف جدید تہذیب کے متوالوں کی تقلید شعاری تھی‘ جو ایک بند سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش میں ایک دوسری قسم کی قید و بند میں گرفتار ہو رہے تھے۔ ایسے لوگوں کو شکار کرنے کے لیے مغرب کو کوئی زیادہ کوشش درکار نہ تھی‘ کیونکہ ان میں خود نخچیر بننے کا ذوق موجود تھا۔ اقبال کا خیال ہے کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا انحصار اس پر نہیں کہ ہم یورپ کی تقلید میں کہاں تک آگے بڑھ سکتے ہیں‘ بلکہ اس پر ہے کہ ہم کہاں تک اس کے فکری غلبہ سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ مزید یہ بھی فرمایا کہ مشرق میں مسلمانوں کی ذہنی قیادت اس شخص کے ہاتھ میں ہوگی جو یورپ کی علمی قیادت کو چیلنج کر سکتا ہو اور جرأت سے یہ کہہ سکے کہ انسانی مصائب کی بوقلمونیوں کا ایک ہی حل ہے اور وہ ہے اسلام۔

علّامہ اقبال اتحاد کے لیے قومیت کی درست فکر کو لازمی خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلامی قومیت کی بنیاد ملک و نسب‘ نسل اور وطن پر نہیں ہے۔ اس تصوّر کی انہوں نے عمر بھر

شدّ و مد سے تبلیغ کی۔ قومیت کے متعلق نظریات کے حوالے سے اقبال ایک ارتقائی عمل سے گزرے اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ نسلی‘ جغرافیائی‘ لسانی حوالے سے اقوام کی تقسیم مغرب کا چھوڑا ہوا شوشہ ہے‘ جس کا مقصد صرف اور صرف مسلمانوں کو تقسیم کرنا ہے۔ اس لیے انہوں نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو اپنے نظریۂ ملّت پر قائم ہونے کا پیغام دیا تا کہ مغرب کی سازشوں کو ناکام بنایا جا سکے اور مسلمان اقوامِ عالَم میں اپنا کھویا ہوا مقام ایک بار پھر حاصل کر سکیں۔ اس سلسلے میں ان کا ارتقائی عمل بالکل ظاہر و باہر ہے۔ ان کی ابتدائی نظموں میں وطن سے گہری محبّت کا اظہار ہوتا ہے۔ اوّلین اردو مجموعہ ”بانگِ درا“ کا آغاز ایک ایسی نظم سے ہوتا ہے جو وطن پرستی کے بلند پایہ جذبات سے بھرپور ہے۔ مثلاً اپنی نظم ”تصویرِ درد“ میں وہ ہندوستان کی قسمت پر آنسو بہاتے ہوئے کہتے ہیں:

رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں! مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردُوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں! مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

مغرب کا المیہ یہ ہے کہ اس نے اسلام کو ایک نظامِ رحمت و رأفت دیکھنے کے بجائے اسے اپنا حریف سمجھا حالانکہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے تعلقات میں بہت سے پہلو ایسے تھے جن پر مکالمہ ممکن تھا‘ اور رہے گا۔ بدقسمتی سے مغرب کے پاس قوت ہے مگر ویژن نہیں ہے۔ ان دونوں کے اتصال ہی سے ایک بڑا کلچر ظہور میں آتا ہے۔ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ اس کی تعلیمات کا خلاصہ محبّت و مساوات کی بنیاد پر ایک آفاقی معاشرے کی تشکیل ہے تا کہ تمام بنی نوعِ انسان کا یکساں احترام کیا جائے۔ اسلام اتحادِ انسانی کا داعی ہے۔

اقبال مسلمانوں کے زوال سے بہت متفکّر تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ مسلمان ایک بار

پھر دنیا کی ایک عظیم قوم بن جائیں۔ آخری عمر میں وہ بڑی بے تابی کے ساتھ مسلمانوں کو متحد ہونے کا پیغام دیتے رہے۔ اقبال ایک دیانت دار مفکّر تھے۔ ان کا کوئی ذاتی ایجنڈا نہیں تھا' اور نہ وہ ذاتی شہرت کے اسیر تھے۔ ابتدا میں وہ وطن پرست تھے۔ اُن کی ابتدائی نظمیں ہمالیہ' تصویرِ درد' نیا شوالہ اور ترانہ ہندی اسی فکر کی عکاس ہیں۔ جب اقبال کی فکر کا کینوس وسیع ہوا تو وہ وطنیت سے ملّیت تک پہنچ گئے اور اُمّتِ مُسلمہ کو اپنا موضوعِ سخن بنالیا۔ انہوں نے لکھا:

’’مسلمانوں اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصوّر مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصلِ اصول نہ اشتراکِ زبان ہے' نہ اشتراکِ وطن اور نہ اشتراکِ اَغراضِ اقتصادی' بلکہ ہم لوگ اس برادری سے تعلق رکھتے ہیں جو رسالت مآب ﷺ نے قائم فرمائی تھی' اس لیے شریک ہیں کہ مظاہرِ کائنات کے متعلق ہم سب کے عقائد کا سرچشمہ ایک ہے۔‘‘

یعنی:

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری!

اقبال مسلمانوں کو ایک ملّت میں گم ہو جانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا خدا ایک' قرآن ایک' رسول ﷺ ایک' کعبہ ایک اور دین ایک ہے۔ اقبال مغربی علوم و فنون کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ مغرب نے مختلف حوالوں سے مسلمانوں کو تقسیم کرنے کی کوشش کی تاکہ یہ متحد ہو کر پھر سے عظیم قوم نہ بن سکے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’یورپی مصنفین کی تحریروں سے مجھ پر ظاہر ہو گیا تھا کہ مغرب کے ملکوں میں اسلام کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے لیے ہتھیار کے طور پر تقسیم کیا جارہا تھا' اور نہ صرف مغربی تعلیم یافتہ نوجوان بلکہ علما بھی اس جال میں پھنس چکے تھے۔‘‘

محبّت ایک قدرتی جذبہ ہے مگر اسلام کے فلسفہ میں ملک اور وطن زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

اسلام صرف فرد کی اخلاقی تربیت ہی پر زور نہیں دیتا بلکہ یہ بتدریج پوری انسانیت میں بنیادی انقلابی تبدیلی چاہتا ہے' کیونکہ اسلام ہی نے سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ مذہب قومی و نسلی

نہیں ہوگا اور نہ ہی یہ نجی اور انفرادی ہوگا۔ مذہب کا مقصد انسانوں کو قدرتی امتیازات کے باوجود متحد اور منظم کرنا ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے انسانوں میں مفاہمت اور اتحاد پیدا کیا جاسکتا ہے۔

اگر عالَمِ بشریت کا مقصد ایک واحد اجتماعی نظام بنانا قرار دیا جائے تو سوائے اسلام کے اور کوئی اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا۔ قرآن کی رو سے اسلام محض انسان کی انفرادی طور پر اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر تخلیق کرے۔

انسانی معاشرت کی بنیاد کامل عدل اور مساوات پر قائم ہے' جو وحدتِ الٰہ اور وحدتِ آدم کے بغیر ناممکن ہے۔ دنیا کی موجودہ ابتری اور تباہی کا اصل سبب یہ ہے کہ جس رفتار سے سائنس نے ترقی کی ہے اس مناسبت سے انسان کے شعور میں اضافہ نہیں ہوا۔ سائنس نے ساری جغرافیائی حدبندیاں توڑ ڈالیں' ایجادوں اور مشینوں کے زور سے اس وسیع زمین کو ایک مکان کے صحن کی طرح مختصر کر دیا' رسل و رسائل کی آسانیوں نے اخبار و افکار کی نشر و اشاعت انتہائی سہل کر دی لیکن اس کے باوجود انسان کی تنگ نظری کا حال یہ ہے کہ دنیا اب تک قوم پرستی اور وطن پرستی سے نجات حاصل نہیں کر سکی۔ قوم پرستی بھی درحقیقت شرک کی ایک قسم ہے۔ اسی نے گزشتہ صدی میں تاریخ انسانی کی ہولناک ترین جنگوں کو جنم دیا اور آج بھی یہ انسانیت کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر دنیا کے سوچنے سمجھنے والے لوگ ایک عالمی ریاست کی حمایت کرتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ ساری کوششیں اس وقت تک بے کار ہیں جب تک انسانیت وحدتِ الٰہ اور وحدتِ آدم پر اشتراک نہیں کرتی۔

اقبال اُمّت کے اتحاد کے لیے مذہب کو بنیاد قرار دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تمام مسلمان ایک طاقت ہیں' ایک عمارت کی مانند ہیں جس کی ہر اینٹ اہم ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ!

یہ ان کے اتحادِ اُمّت کا فلسفہ ہی تھا کہ انہوں نے ۱۹۳۰ء میں قیامِ پاکستان کی بنیاد بننے والا تاریخی خطبہ الٰہ آباد پیش کیا۔ اقبال نوجوانوں سے کبھی مایوس نہیں رہے بلکہ انہیں شاہین قرار

دیتے رہے۔ اقبال کے اشعار میں ہمیں باہمی یگانگت اور مسلمانوں کے لیے ہمدردی کے جذبات کی چاشنی بھی ملتی ہے۔ فرماتے ہیں:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اَقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارا

ایک اور مقام پر مسلم قوم کو نصیحت کرتے ہیں:

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں!

اور ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

اقبال ملّت کا ایک وسیع تصوّر پیش کرتے ہیں۔ تمام مسلمان خواہ کسی بھی خطے سے تعلق رکھتے ہوں ایک اُمّت ہیں، ایک ملّت ہیں اور ایک مضبوط رشتے کی ڈور سے بندھے ہوئے ہیں۔ اقبال کے کلام کا بیشتر حصہ ملّتِ اسلامیہ کی عظمت کی بحالی کے عزم سے مزین ہے۔ انہوں نے ملّتِ اسلامیہ کو خوابِ غفلت سے بیدار ہونے، اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور ایک باوقار قوم کی طرح جینے کا حوصلہ دیا:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

غلامی اپنے نفس کی ہو یا کسی غیر کی، دونوں ہی مردِ مؤمن کے لیے زہرِ قاتل ہیں۔ اس کے برعکس اقبال نے جس بات پر پورا زور دیا ہے، وہ ہے خودی۔ جس شخص میں یہ جذبہ ہوگا وہ کبھی کسی کی غلامی پر راضی نہیں ہوگا۔ علّامہ کا فکر وفلسفہ قرآن کی روح کے مطابق ہے۔ وہ ایک حاذق طبیب کی طرح جسدِ ملّت میں سرایت مختلف اَمراض کی درست تشخیص اور پھر اس کا علاج بھی تجویز کرتے ہیں۔ ان سے کچھ چھپا نہیں رہا۔ فرماتے ہیں:

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ

انفرادی اور اجتماعی، ظاہری و باطنی، داخلی اور خارجی وہ تمام اسباب وعلل جو قوم وملّت کے لیے ضرر رساں ہیں، جو مسلمانوں کی اخلاقی پسماندگی کی وجہ ہیں اور ان کے زوال کا باعث ہیں، اقبال نے ان تمام امراض کی درست تشخیص کی اور قرآن وسُنّت کی روشنی میں اُمّت کو راہِ نجات دکھلائی جو دراصل راہِ حق ہے۔ اتحاد کے لیے ضروری ہے کہ عصبیت سے بچا جائے۔ علاقہ، رنگ، ملک، قوم، وطن، زبان، خاندان، حسب ونسب وغیرہ کی بنیاد پر گروہ بندی ہی عصبیت ہے۔

اقبال نے اپنی معاصر یورپی تہذیب کو کہیں تہذیبِ نو، کہیں تہذیبِ حاضر، کہیں تہذیب جدید، کہیں تہذیبِ مغرب اور کہیں صرف تہذیب کہہ کر اس کے منفی اور انسان کُش عناصر کی نشان دہی کی ہے۔ فرماتے ہیں:

نئی تہذیب تکلّف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجت گلگونہ فروش

اور ؎

دوئی ملک و دیں کے لیے نامرادی
دوئی چشم تہذیب کی نابصیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

اور ؎

عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے
حرم کا راز توحیدِ امم ہے
تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب
کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے

آج ملّتِ اسلامیہ کو ایک بڑا معرکہ درپیش ہے، جسے اقبال کے بڈھے بلوچ نے ''معرکۂ روح وبدن'' سے تعبیر کیا تھا۔ بڈھے بلوچ کی نصیحت کو ایک بار پھر ذہن میں تازہ کر لینا چاہیے تاکہ آج کے سیکولر مزاج افراد واقوام کو وہ راہ سجھائی جا سکے جسے وہ بدقسمتی سے چھوڑتے جا رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں اُن کی حالت اُس مچھلی کی سی ہوگئی ہے جس کی قابلِ رحم حالت کا ذکر اکبر نے اپنے مخصوص انداز میں کیا تھا:

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی!

کاش ہم سمجھ سکیں کہ وہ غیر ملکی لقمہ جس کے ملنے پر ہم بغلیں بجا رہے ہیں ہمارے لیے اور ہماری آنے والی نسلوں کے لیے زہر ہلاہل ہے اور ہماری عزّتِ نفس پر ایک گزر گراں ہے۔ بہرحال بڈھے بلوچ کے چند اشعار پیش ہیں۔ اس کی علامتی حیثیت کو سمجھیں اور آزادی‘ حریت‘ غیرت‘ عزّتِ نفس‘ ملّی طرزِ احساس اور تہذیب کے سچّے اور صحیح معانی سے آگاہ ہوں:

جس سمت میں چاہے صفتِ سیلِ رواں چل
وادی یہ ہماری ہے‘ وہ صحرا بھی ہمارا
غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دَو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا
دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا
دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اَخلاصِ عمل مانگ نیاگانِ کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را!

اقبال اُمّتِ مسلمہ کی پسماندگی اور نکبت واد بار کو دیکھ کر جی میں کڑھن محسوس کرتے تھے۔ وہ بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ جب تک مسلمانوں میں اتحاد‘ ذہنی ہم آہنگی‘ سود وزیاں کا احساس اور فکری یگانگت پیدا نہ ہوگی‘ یہ اپنے کھوئے ہوئے فکری اور عسکری مقام کی شان وشوکت کو نہیں پا سکتے۔ راستے جُدا ہوں تو اپنی منزل کے سنگ ہائے میل تلاش کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ یقیناً منزل پر پہنچ جاتے ہیں جو اِدھر اُدھر دیکھے بغیر اپنے متعین کیے ہوئے راستے پر چلتے رہتے ہیں۔

اقبال کا پیغام امن کا پیغام ہے۔ وہ اسلامی نشأۃِ ثانیہ کے بانی تھے اور یہ اُن کی حقیقی اہمیت ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

’’قوت کے بغیر فکر اور سوچ اخلاقی رفعت تو مہیا کر سکتی ہے لیکن ایک پائیدار کلچر فراہم نہیں کر سکتی۔ سوچ وفکر کے بغیر قوت ایک تباہ کن اور غیر انسانی نوعیت اختیار کر لیتی ہے‘ لیکن انسانیت کی روحانی وسعت کی خاطر ان دونوں کو اکٹھا کر لینا چاہیے۔‘‘

اُمّتِ مُسلمہ کا موجودہ مسئلہ درحقیقت پوری انسانیت کا مسئلہ ہے۔ اُمّتِ مُسلمہ اپنی حقیقت کو پہچانے گی اور اس کے مطابق عمل کرے گی تو وہ دنیا کی قیادت کے قابل ہوگی۔ کفر کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے اربوں انسانوں کو ایمان کی روشنی عطا کرے گی۔ دراصل اُمّتِ مُسلمہ کا اتحاد صرف مسلمانوں کے لیے نہیں پوری نوعِ انسانی کے لیے اہم ہے۔ صرف مسلمانوں کی تہذیب ہی اب حقیقی معنوں میں ایک سطح پر ’’خدا مرکز‘‘ (God centric) تہذیب ہے۔ دوسری سطح پر یہ ’’کتاب مرکز‘‘ تہذیب ہے اور تیسری سطح پر ’’رسول مرکز‘‘ تہذیب ہے۔ یہی مسلمانوں کے اتحاد کی اصل بنیادیں ہیں اور یہی پوری انسانیت کو ایک اُمّت بنانے کی صورت ہے۔ بلاشبہ یہی وہ درد آگیں تھا جو اقبال کی نثر ونظم کا مرکز ومحور تھا۔ اسی فکر نے انہیں مفکّرِ اسلام کا نام دیا۔ ان کی خودی کے تصور میں اُمّتِ مُسلمہ کی اصل روح اور حیاتِ تازہ کی نوید تھی۔

مآخذ ومصادر

(۱) علّامہ اقبال کا تصورِ اتحاد‘ محمد طالب جلال ندوی
(۲) فکرِ اقبال‘ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم
(۳) اقبال اور نشأۃِ ثانیہ‘ پروفیسر خورشید احمد
(۴) اقبال اور اُمّتِ مُسلمہ کا اتحاد‘ قیوم نظامی
(۵) اقبال اور اتحادِ اُمّت‘ راضیہ سید
(۶) اتحادِ اُمّت: کیوں اور کیسے؟ شاہنواز فاروقی

❀❀❀

شرک کی حقیقت، اقسام اور دورِ حاضر
کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجیے
حقیقت و اَقسامِ شرک
ڈاکٹر اسرار احمد
اشاعت خاص 160 روپے، اشاعت عام 80 روپے

اعمال میں میانہ روی

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ دینِ اسلام ہے جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ﴾ (آلِ عمران:۸۵) ''اور جو بھی اسلام کے علاوہ کوئی دین (یعنی زندگی گزارنے کا طریقہ) اختیار کرے وہ اس سے قبول نہیں ہوگا''۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور یہاں جو بویا جائے گا وہی آخرت میں کاٹا جائے گا' یعنی ہر کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ اسی لیے خالق کائنات نے زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ انسانوں کو سکھا دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے نہ صرف اس طریقے کی تعلیم دی بلکہ خود اس طریقے پر عمل کر کے زندگی گزاری۔ آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی اللہ کی مرضی اور تعلیم کے مطابق گزاری' اسی لیے آپؐ کی زندگی کو تمام بنی نوعِ انسان کے لیے نمونہ قرار دیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ (الاحزاب:۲۱) ''یقیناً رسول اللہ (ﷺ کی زندگی) میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے''۔ جب آپؐ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے آپؐ کی زندگی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ((کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن)) (مسند احمد) یعنی آپ ﷺ کی زندگی سراسر قرآن کی تعلیمات کے مطابق ہے۔ زندگی گزارنے کا وہ نبوی طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے سیکھا جو آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ ہمیں بس اس طریقے کے مطابق اپنی زندگیوں کو گزارنا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے اور اس بابرکت ذات نے اپنے بندوں کے لیے جو طرزِ زندگی پسند کیا ہے' اُس میں انسانی استطاعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام کے تمام احکام میں سہولت ہے' شدّت اور سختی نہیں ہے اور اگر کوئی شخص کسی بھی معاملے میں سختی اختیار کرتا ہے تو وہ ناپسندیدہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿یُرِیۡدُ اللّٰهُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ

الۡعُسۡرَ ۫﴾ (البقرہ:۱۸۵) ''اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے لیے سختی نہیں چاہتا۔''

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: توحید و رسالت کا اقرار' پنجگانہ نماز' رمضان کے روزے' اپنی جمع پونجی میں سے سال گزرنے کے بعد چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا اور اگر استطاعت ہو تو حج کرنا جو عمر بھر میں ایک دفعہ کافی ہے۔ ان پانچ بنیادی چیزوں کے ادا کرنے میں کوئی تنگی نہیں' بلکہ ان کی ادائیگی میں سہولت رکھی گئی ہے۔ بایں طور کہ جس نے پنجگانہ نماز کی پابندی کر لی' اس نے اللہ کے حکم پر عمل کر لیا۔ اب دن رات یعنی چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں پڑھنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے مگر نماز کے معاملے میں بھی سختی نہیں' بلکہ آسانی ہے۔ نفل نماز بھی ہے' لیکن اس میں بھی غلو کی اجازت نہیں ہے۔ اگر نماز پڑھتے نیند کا غلبہ ہو جائے تو نماز موقوف کر کے سو جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن پڑھنے کا بہت ثواب ہے' بایں طور کہ ایک ایک حرف پر دس نیکیوں کی بشارت ہے اور یہ نیکیاں کمانے کا بہت آسان ذریعہ ہے۔ بندہ چاہتا ہے کہ قرآن کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرے مگر یہاں بھی درمیانی چال کو پسند کیا گیا ہے۔ قرآن پڑھتے پڑھتے بھی اگر نیند کا غلبہ ہونے لگے یا تھکاوٹ محسوس ہو تو قرآن مجید کی تلاوت روک دی جائے۔ تلاوت اُسی وقت تک جاری رکھی جائے جب تک تھکاوٹ یا اُکتاہٹ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے کم میں پورے قرآن کی تلاوت کو پسند نہیں فرمایا۔

دن کو روزہ رکھنا اور رات کو قیام کرنا باعثِ اجر وثواب اور بہت پسندیدہ عمل ہے' مگر یہاں بھی افراط وتفریط سے روکا گیا ہے اور درمیانی چال ہی کو پسند کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کا تذکرہ کیا گیا جن میں سے ایک عالم تھا' وہ فرض نماز پڑھ کر بیٹھ جاتا اور لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا' جبکہ دوسرا شخص دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا تھا۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرض نماز پڑھ کر بیٹھ جانے اور لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے عالم کی فضیلت اس عابد پر' جو دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا ہے اس طرح ہے جس طرح میری تمہارے ادنیٰ پر فضیلت ہے'' (مشکوٰۃ) گویا افراط وتفریط سے بچ کر نیک کام پسندیدہ ہیں۔

روزہ رکھنا دینِ اسلام میں بہت فضیلت کا حامل ہے کہ اس کے اجر کے بارے میں حدیث قدسی میں یہ الفاظ آئے ہیں: ((اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ)) ’’روزہ خاص میرے لیے ہے اور مَیں خود ہی اس کی جزا دوں گا!‘‘ اعراب کے ذرا سے فرق کے ساتھ اسے یوں بھی پڑھا جاتا ہے: ((اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ)) ’’روزہ خاص میرے لیے ہے اور مَیں خود ہی اس کی جزا ہوں!‘‘ اس فضیلت کے باوجود روزے کے معاملے میں بھی میانہ روی کا حکم دیا گیا اور مسلسل روزے رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ (جنہیں عبادت کی بڑی رغبت تھی) سے فرمایا: ’’ہر ماہ تین نفل روزے رکھ لیا کرو‘ یہ زمانہ بھر کے روزے رکھنے کے مترادف ہے‘‘۔ جب انہوں نے کہا کہ مَیں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا: ’’حضرت داوٗد علیہ السلام کی طرح ایک دن روزہ اور ایک دن ناغہ کرلیا کرو۔‘‘

قرآن کی تعلیم دینا اور اسلامی تعلیمات پر مبنی وعظ کرنا بہت بڑا نیکی کا کام ہے مگر یہاں بھی آپ ﷺ نے میانہ روی کو پسند کیا۔ حضرت عکرمہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عباس ؓ نے فرمایا: ہر جمعہ (سات دن) میں لوگوں سے ایک مرتبہ وعظ کیا کرو‘ اگر یہ نہیں تو دو مرتبہ اور اگر زیادہ کرنا ہو تو تین مرتبہ۔ (اس سے زیادہ کر کے) لوگوں کو اس قرآن سے اُکتا نہ دو۔ مَیں تمہیں نہ پاؤں کہ تم لوگوں کے پاس آؤ اور وہ اپنی گفتگو میں مصروف ہوں اور تم ان کی بات کاٹ کر انہیں وعظ کرنا شروع کر دو‘ اس طرح تم انہیں اُکتا دو گے۔ تم خاموشی اختیار کرو اور جب وہ تمہیں کہیں تو انہیں وعظ کرو۔ دراں حالیکہ وہ اس کی خواہش رکھتے ہوں۔

قرآن مجید میں نمازِ جمعہ کے حوالے سے فرمایا گیا: ﴿یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ ......﴾ (الجمعۃ:۹) ’’اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے ندا دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو......‘‘

اگرچہ یہاں لفظ ’’فَاسْعَوْا‘‘ بمعنی دوڑنا آیا ہے‘ مگر یہاں دوڑنے سے مراد یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے لیے تمام کام چھوڑ کر مسجد چلے جاؤ۔ کیونکہ دوڑ کر مسجد جانا نہ حضور ﷺ کے عمل سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عمل سے۔ بلکہ عام حالات اور عرفِ عام میں بھی دوڑنا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ گلی بازار میں لوگ آرام سے چل رہے ہوتے ہیں‘

ایسے میں اگر کوئی شخص دوڑتا ہوا نظر آئے تو سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے کہ اس شخص کو پتہ نہیں کیا مسئلہ ہے۔ اسی لیے نمازِ جمعہ کے لیے بھی بالفعل دوڑ کر آنا پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

نمازِ جمعہ کے لیے جلدی مسجد میں پہنچنا بلاشبہ ثواب کا باعث ہے تاکہ اگلی صفوں میں جگہ مل سکے۔ جمعہ کے دن مسجد کے دروازے پر فرشتے متعین ہوتے ہیں جو مسجد میں آنے والوں کی حاضری لگا رہے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ’’نمازِ جمعہ کے وقت فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنے والوں کو ترتیب وار لکھتے جاتے ہیں اور سب سے پہلے آنے والا شخص اس آدمی کی طرح ثواب پاتا ہے جو اونٹ کی قربانی کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد والا اس شخص کی طرح ہے جو گائے کی قربانی کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد والا بھیڑ کی قربانی کرنے والے کی طرح۔ پھر مرغی اور پھر اس کے بعد آنے والا ایسے ہے جیسے کوئی انڈہ صدقہ کرے۔ جب امام منبر پر آجاتا ہے تو فرشتے اپنے رجسٹر بند کر دیتے ہیں اور غور سے خطبہ سنتے ہیں۔ (صحیح البخاری: عن ابی ہریرہ ؓ)

اجر وثواب حاصل کرنے کے لیے یہ کتنا سہل عمل ہے جس میں کسی طرح کی تکلیف یا مشقت نہیں‘ بلکہ شوق کا مظہر ہے۔

دن کام کرنے اور رات آرام کرنے کے لیے ہے‘ البتہ رات کے کچھ حصے میں قیام کرنا مستحسن ہے مگر آرام کے اس وقت کو پوری رات عبادت میں گزارنا درست نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؒ رات بھر جاگ کر نفل نماز میں مشغول رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ’’رات کو قیام بھی کیا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔‘‘ (متفق علیہ) گویا ساری رات جاگ کر عبادت میں مشغول رہنا غلو ہے‘ جو پسندیدہ نہیں۔ عرفِ عام میں بھی اسے اچھا نہیں سمجھا جاتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے رات آرام کے لیے بنائی ہے۔

اعمال میں میانہ روی مطلوب ہے‘ اس ضمن میں ایک مشہور حدیث ہے کہ تین اشخاص رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھنے کے لیے آپؐ کی ازواجِ مطہرات ؓ کے پاس آئے۔ جب انہیں آپ ﷺ کی عبادت کے معمول کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اسے کم محسوس کیا۔ انہوں نے دل میں سوچا کہ ہماری نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ سے کیا نسبت‘

اللہ تعالیٰ نے تو اُنؐ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف فرما دی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ مَیں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ مَیں ہمیشہ روزہ رکھوں گا‘ کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ مَیں عورتوں سے اجتناب کروں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ نے ان کو بلا کر فرمایا:

((اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا؟ اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ، لٰـکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) (صحیح البخاری‘ کتاب النکاح)

”تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس اس طرح کہا ہے۔ اللہ کی قسم! مَیں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہوں‘ لیکن مَیں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں‘ رات کو نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں‘ اور مَیں نے عورتوں سے شادیاں بھی کی ہیں۔ پس جو شخص میری سُنّت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے ہر معاملے میں خود بھی میانہ روی کا طریقہ اختیار فرمایا اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دی۔ آپؐ نے ہر کام میں غلو اور مبالغے سے منع فرمایا‘ حتیٰ کہ عبادت میں بھی مشقت کو پسندیدہ قرار نہیں دیا‘ بلکہ میانہ روی کی تلقین کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص نمازِ عشاء اور نمازِ فجر باجماعت پڑھتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے کہ جس نے ساری رات عبادت میں گزاری۔“

اسلام نام ہے دل کی آمادگی کے ساتھ اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ کا اور اسی میں اجر و ثواب ہے۔ ایک مرتبہ ماہِ رمضان میں صحابہ کرام ؓ کو ایک سفر درپیش ہوا تو کچھ اصحاب نے روزہ رکھ لیا اور کچھ نے سفر کے باعث روزہ چھوڑ دیا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو جنہوں نے روزہ چھوڑ رکھا تھا‘ وہ تو کھانے کی تیاری میں لگ گئے اور جو روزہ دار تھے وہ بھوک کی شدّت اور سفر کی تکان کے باعث لیٹ گئے اور کھانا تیار کرنے میں کوئی مدد نہ کر سکے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج روزہ چھوڑنے والے روزہ رکھنے والوں سے زیادہ اجر لے گئے۔ گویا آپؐ نے سفر میں روزہ نہ رکھنے کو پسند فرمایا کیونکہ سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ اور روزہ داروں کی خدمت کا اجر روزہ چھوڑنے والوں کو ملا اور ان کا روزہ چھوڑنا عین اسلامی تعلیم تھی۔ اسی طرح سفر میں نمازِ قصر کرنے کا حکم ہے‘ اگر کوئی جانتے بوجھتے

سفر میں بھی نمازِ قصر نہیں کرتا تو وہ قرآن کے حکم کی نافرمانی کا موجب ہوگا۔

درج بالا نکات سے معلوم ہوا کہ عبادت میں وہی طریقہ مقبول ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی سُنّت کے مطابق ہو۔ عبادت میں غلو کی اجازت تو اصحابِؓ رسولؐ کو بھی نہ تھی تو آج کے اہلِ ایمان عبادت میں سختی کیسے اختیار کر سکتے ہیں؟ تاریخی حوالوں سے بتایا جاتا ہے کہ دینِ اسلام کی معروف شخصیات نے نماز اور روزے میں حد سے زیادہ غلو کیا‘ مثلاً حضرت امام ابو یوسفؒ قاضیُ القضاۃ تھے اور ان کو دوسرے مشاغل بھی تھے لیکن مشہور ہے کہ وہ روزانہ دو سو رکعات نفل پڑھتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ وہ چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے۔ حالانکہ یہ عمل کسی سے ممکن نہیں‘ کیونکہ انسان ہونے کے ناطے رفع حاجت اور نیند کی صورت میں عشا کا وضو فجر تک کیسے قائم رہ سکتا ہے۔ کسی بھی انسان کے لیے یہ کمزوریاں ناگزیر ہیں۔ امام شافعیؒ کے متعلق بتاتے ہیں کہ رمضان میں ساٹھ قرآن مجید نماز میں پڑھتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ روزانہ تین سو رکعات نفل پڑھتے تھے۔ ایک صاحب کے بارے مشہور ہے کہ روزانہ تہجد اور وتر کی تیرہ رکعتوں میں ایک قرآن پڑھا کرتے تھے۔ بڑے علماء اور محدثین کے بارے میں ان تاریخی روایات کی صداقت ایک سوالیہ نشان ہے کیونکہ نہ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ان باتوں کی تائید ہوتی ہے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نے اس طرح کے عمل کیے جو اُمّت کے لیے حُجّت ہوں۔ درج بالا اکثر اعمال ایسے ہیں کہ کسی انسان سے ان کا صادر ہونا ممکن نہیں۔ کچھ عمل ایسے ہیں کہ اُن سے سُنّت کی خلاف ورزی ثابت ہوتی ہے۔ قرآن و حدیث کا علم رکھنے والا کوئی شخص خلاف سُنّت عمل کیسے اور کیوں کر سکتا ہے؟ یہ شعر حدیث کے مصداق ہے کہ ؎

خلافِ پیغمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

یعنی رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف کرنے والا کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے تمام اعمالِ زندگی میں غلو‘ شدّت پسندی اور افراط و تفریط سے بچ کر ہمیشہ میانہ روی اور اعتدال پسندی کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!

ٹرانس جینڈر (تحفّظِ حقوق) ایکٹ ۲۰۱۸ء

مقاصد و مضمرات

پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق

مخنث / خواجہ سرا افراد کو معاشرے میں بہت سے سماجی و معاشرتی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان کے حقوق کا تحفظ ہم سب کا فرض ہے۔ وہ بھی اللہ کی ایسے ہی مخلوق ہیں جیسے دوسرے انسان۔ ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے مئی ۲۰۱۸ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے Tansgender Persons (Protection of Rights) Act 2018 پاس کیا۔ بدقسمتی سے اس میں مخنث/خواجہ سرا حضرات کو تو کوئی تحفظ نہیں دیا جا سکا لیکن اس ایکٹ کی آڑ میں ایک طرف تو ایسی قانون سازی کی گئی جس کا کھلے عام اعلان کسی بھی صورت میں پاکستان کے مسلمانوں کو قابل قبول نہ ہوتا اور دوسری طرف عورتوں کے حقوق کو بری طرح پامال کر دیا گیا۔ اور اس ایکٹ کے ذریعے بے شمار اخلاقی قباحتوں کی راہیں کھول دی گئی ہیں۔ ڈاکٹر اسرار رحمہ اللہ نے آج سے دو دہائی پہلے اس معاملے کا ادراک کر لیا تھا اور ایک خطاب ''اسلام میں پردے کا نظام اور یو این او کا سوشل انجینئرنگ پروگرام'' میں مسلمانوں کو خبردار کر دیا تھا کہ مسلمان ممالک میں صنفی اقدار ختم کرنے اور مرد کو مرد اور عورت کو عورت سے شادی کی اجازت دینے اور اس کو رجسٹر کرنے اور ہم جنس پرستی کو قانونی طور پر تسلیم کرنے کی سازش تیار کر لی گئی ہے۔ بدقسمتی سے آج اس بل کے ذریعے ہم ان کی یہ پیشین گوئی پوری ہوتی دیکھ رہے ہیں اور ہماری مذہبی جماعتیں بھی بوجوہ اس کا ادراک نہیں کر پائیں اور ان کی موجودگی میں پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینیٹ نے یہ بل پاس کر دیا۔

ذیل میں مختصراً چند متعلقہ آرٹیکلز اور ان کے مضمرات کا حوالہ دیا گیا ہے:

تعریف (Definitions)

ایکٹ کے Article 2(e) میں ''جینڈر کا اظہار'' (gender expression) کو

یوں بیان کیا گیا ہے: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی فرد اپنی جنس کا خود تعین کر کے اس کو کیسے ظاہر کرتا ہے یا دوسرے لوگ اس کو کیسے سمجھتے ہیں'' اور ساتھ ہی ایکٹ کے Article 2 (f) میں (gender identity) یعنی صنفی شناخت کی تعریف یوں کی گئی ہے: ''صنف کی شناخت کا مطلب یہ ہے کہ ایک فرد اپنے انتہائی داخلی احساس کی بنیاد پر اپنی انفرادی جنس کو مرد، عورت، دونوں یا ان میں سے کوئی بھی نہ متعین کرنے کا فیصلہ کرے چاہے یہ اس کی پیدائشی جنس سے مطابقت رکھے یا نہ رکھے۔ اور Article 2n (i, ii, iii) کے مطابق ٹرانس جینڈر شخص وہ ہوگا جو (i) مخنث (خسرہ) ہو، جس کے پیدائشی جنسی اعضاء میں یہ واضح نہ ہو کہ وہ مرد ہے یا عورت، (ii) جس کے پیدائش کے وقت تو خصیے موجود تھے لیکن بعد میں کاٹ دیئے گئے (iii) ٹرانس جینڈر مرد یا ٹرانس جینڈر عورت یا کوئی ایسا فرد جس کا جنسی اظہار (gender expression) یا جنسی شناخت سماجی اور ثقافتی توقعات کی بنیاد پر اس جنس سے مختلف ہو جو اس کی پیدائش کے وقت متعین کی گئی تھی۔

یاد رہے کہ یہ ایکٹ مخنث (خسرہ/خواجہ سرا) لوگوں کے تحفظ کے نام پر بنایا گیا ہے۔ مخنث (inter sex) وہ شخص ہوتا ہے جس کے جنسی اعضاء کی ساخت مرد یا عورت کے اعضاء کی طرح واضح نہیں ہوتی اور اس کے بین بین کی مختلف حالتوں میں ہوتی ہے۔ جسمانی ساخت کے ساتھ ساتھ ان کی آواز اور عادات واطوار بھی زنانہ یا مردانہ ہوتے ہیں اور ان کو عام طور پر خواجہ سرا کہتے ہیں۔ شریعت میں مخنث کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں اور ان کے لیے احکام وضع کیے گئے ہیں۔

جب کہ ٹرانس جینڈر کی اصطلاح پہلی مرتبہ ۱۹۶۵ء میں ذہنی امراض کے ایک امریکی ماہر (psychiatrist) جان۔ ایف۔ اولیون (John F.Oliven) نے استعمال کی۔ یہ اصطلاح ان ذہنی مریضوں کے لیے استعمال کی گئی جو پیدائشی طور پر مرد یا عورت ہونے کے باوجود اپنے آپ میں صنف مخالف کی غالب صفات اور جذبات کے احساس کی بنیاد پر خود کو پیدائشی جنس کے خلاف سمجھتے تھے۔ بعد میں ایسے افراد جو مرد یا عورت میں سے کسی ایک کے جذبات بھی نہ رکھتے ہوں اور یا وقت کے ساتھ خود کو کبھی مرد اور کبھی عورت سمجھیں ان کو Non-Binary یا Fluid Gender کا نام دیا گیا۔ ٹرانس جینڈر کے انہی ذہنی مسائل کو مدِنظر

رکھتے ہوئے اس ایکٹ کے آرٹیکل (6(a میں حکومت کو اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ ٹرانس جینڈر افراد کے لیے خصوصی حفاظتی مراکز بنائے اور ان کے نفسیاتی علاج اور کونسلنگ کا انتظام بھی کرے۔

اس ایکٹ کے تحت ایک مرد یا عورت کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ اپنی جنس/صنف کا تعین خود کرے اور شناختی کارڈ میں نام بھی تبدیل کر لے اور قانوناً مرد خود کو عورت اور عورت خود کو مرد کے طور پر رجسٹرڈ کر لے۔[(Article3(1,2,4] اور [(Article3(3] کے تحت یہ ہر اس پاکستانی ٹرانس جینڈر شہری کا صوابدیدی اختیار ہوگا جس کی عمر اٹھارہ سال (یا اس سے زیادہ) ہو۔ وہ اپنے بدلے ہوئے نام اور جنس کے مطابق شناختی کارڈ‘ ڈرائیونگ لائسنس اور پاسپورٹ وغیرہ حاصل کرسکتا ہے اور وراثت میں اس کا حصہ بھی اسی بدلے ہوئے جنس کے مطابق متعین کیا جائے گا۔ یعنی اسلام کے قانونِ وراثت کے علی الرغم عورت جائیداد کے حصول کے لیے خود کو مرد کے طور پر رجسٹر کر کے جائیداد میں مرد کا حصہ وصول کرنے کی مجاز ہوگی اور مرد بھی اپنی جنس تبدیل کر کے عورت کا متعین حصہ حاصل کرسکتا ہے۔ البتہ عمر اٹھارہ سال سے کم ہو اس صورت میں Article] [7(3)(iii)(d کے تحت اس کے جنس کے تعین کے بارے میں ڈاکٹر سے رائے لی جائے گی۔

جو مرد خود کو عورت کے طور پر رجسٹرڈ کر لے اسے عورتوں کے مخصوص تعلیمی اداروں میں داخلے‘ (Article 8 (1 عوامی مقامات پر عورتوں کے لیے موجود سہولیات Article 14 (2,3) مثلاً پارکوں‘ غسل خانوں‘ اور (Article 14 (1 کے تحت انہیں مساجد میں جانے کی مکمل آزادی ہوگی اور Article13 کے تحت یہ لوگ ان عوامی مقامات پر اجتماعات بھی کرسکیں گے اور (Article 13 (2 کے مطابق حکومت ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔

ٹرانس جینڈر افراد کو Article10 کے تحت یہ اختیار دیا گیا ہے کہ ووٹ دیتے وقت‘ شناختی کارڈ میں درج شدہ جنس کے مطابق متعلقہ پولنگ سٹیشن میں جائیں۔ یعنی اگر کسی ٹرانس جینڈر مرد نے خود کو شناختی کارڈ میں عورت کے طور پر رجسٹرڈ کیا ہے تو وہ عورتوں کے پولنگ سٹیشن میں جانے کا مجاز ہوگا۔ Article11 کے تحت ایسے ٹرانس جینڈر مرد کو اختیار حاصل ہو گیا ہے کہ وہ پارلیمان میں عورتوں کی مخصوص نشستوں پر الیکشن لڑے اور اسی قانون کے تحت وہ عورتوں کے لیے مخصوص دوسرے حکومتی عہدوں کا اہل بھی ہوگا۔ یعنی اس وقت خواتین کو جو خصوصی استحقاق اور مراعات

حاصل ہیں وہ عملاً ختم کر دی گئی ہیں۔

چونکہ (1,2,3,4) [Article 3] کے تحت کوئی بھی ٹرانس جینڈر مرد خود کو عورت کے طور پر رجسٹر کرسکتا ہے اس لیے قانونی طور پر اسے عورت ہی سمجھا جائے گا اس لیے وہ مرد سے شادی کا حق دار ٹھہرے گا یعنی عملاً ایک مرد کو مرد سے شادی کا حق حاصل ہو گیا ہے۔ یہی صورت عورت کی عورت سے شادی کی بھی ہے۔ اس طرح ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں جن اخلاقی‘ نفسیاتی اور طبی بیماریوں/ برائیوں کا دروازہ کھل گیا ہے شاید اس کے حقیقی اثرات کا اس وقت ہم مکمل ادراک بھی نہیں کرسکتے۔

خلاصہ

یہ ایکٹ معاشرے میں مخنث/خواجہ سرا طبقے کو تحفظ نہیں دے سکتا۔ اس کے ذریعے سے ان مذموم مقاصد کو حاصل کیا گیا ہے جن کا کھلے طور پر حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ اس سے نہ صرف ہم جنس پرستی بلکہ دوسری بے شمار اخلاقی برائیوں کو بھی قانونی تحفظ مل گیا ہے۔ یہ ایکٹ ہمارے معاشرتی اور سماجی اقدار اور قرآن وسنت اور بنیادی اسلامی عقائد کے خلاف ہے اور پاکستان کے آئین سے بھی متصادم ہے۔ آئین پاکستان کے آرٹیکل (2-B(1 کے مطابق قرآن وسنت پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہے اور آرٹیکل (2-B(3 کے مطابق ہر اس حکومتی عہدیدار کے خلاف کارروائی کی جانی چاہیے جس نے اس کی خلاف ورزی کی ہے‘ کیونکہ آئین پاکستان پر عمل کرنا ہر پاکستانی کا فرض ہے۔

اس وقت ایسے قوانین کے خلاف نہ صرف اجتماعی جدّوجُہد کی ضرورت ہے بلکہ ساتھ ہی اجتماعی استغفار اور توبہ کی بھی‘ کہ ہم سب کسی نہ کسی صورت میں اس کے ذمہ دار ہیں۔

نوٹ: ذیل میں تمام متعلقہ آرٹیکلز (Articles) کے حوالے دیے گئے ہیں۔

References:

Transgender Persons (Protection of Rights) Act, 2018

2.Definitions:

(e) "gender expression" refers to a person's presentation of his gender identity and the one that is perceived by others;

2۔تعریف:

جینڈر (جنس) کا اظہار۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی فرد اپنی جنس کا تعین کر کے اس کو کیسے ظاہر کرتا ہے اور دوسرے لوگ اس کو کیسے سمجھتے ہیں۔

(f) "genderidentity" means a person's innermost and individual sense of self as male, female or a blend of both or neither that can correspond or not to the sex assigned at birth

جینڈر (جنس) کی شناخت کا مطلب یہ ہے کہ ایک فرد اپنی انفرادی جنس اپنے داخلی رجحان کی بنیاد پر کیسے متعین کرتا ہے چاہے وہ اسے مرد، عورت یا دونوں یا ان میں سے کوئی بھی متعین نہ کرے، چاہے وہ اس کی پیدائشی جنسی تشخص سے مختلف ہی کیوں نہ ہو(اسے مانا جائے گا)۔

(n) "transgender person" is a person who is;

i. intersex (Khusra) with mixture of male and female genital features or congenital ambiguities; or

ii. eunuch assigned male at birth, but under goes genital excision or castration; or

iii. a transgender man, transgender woman, KhawajaSira or any person whose genderidentity or gender expression differs from the social norms and cultural expectations based on the sex they were assigned at the-time of their birth.

(n)ٹرانس جینڈر شخص وہ ہوگا جو؛

i. خسرہ، جس کے جنسی اعضاء مرد اور عورت دونوں کے حصوں پر مشتمل ہوں یا پیدائشی طور پر مبہم ہوں

ii. جو پیدائشی طور پر تو مرد ہو لیکن اس کے خصیے کاٹ دیے گئے ہوں یا اسے خصی کر دیا گیا ہو۔

iii. ٹرانس جینڈر مرد یا ٹرانس جینڈر عورت، خواجی سرا یا کوئی بھی دوسرا شخص جس کا صنفی اظہار یا صنفی تصور سماجی و معاشرتی توقعات کی بنیاد پر اس کی پیدائشی جنس سے مختلف ہو۔

Recognition fidentity of transgender (l) A: transgender person shall have a raight to be recognized as per his or her self-perceived gender identity, assuch, inaccordance with the provision soft his Act.

ٹرانس جینڈر شخص کی شناخت کا تسلیم کرنا۔(I) ایک ٹرانس جینڈر شخص کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس ایکٹ کے مطابق اپنی صنفی شناخت خود اپنے صنفی تصور کی بنیاد پر کرائے۔

(1) A person recognized as transgender under sub-section(1) shall have a right to get himself or herself registered as per self-perceived gender identity with all government departments including, but not limited to, NADRA.

ذیلی سیکشن (1) کے تحت جس کو ٹرانس جینڈر تسلیم کیا گیا ہے اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی تصور شدہ صنفی شناخت کے مطابق فیصلہ کر کے خود کو نادرا (NADRA) اور دوسرے تمام سرکاری اداروں میں (بطور مرد یا عورت) رجسٹرڈ کروائے۔

(3) Every transgender person, being the citizen of Pakistan, who has attained the age of eighteen years shall have the right to get himself or herself registered according to self-perceived gender identity with NADRA on the CNIC, CRC, driving license and passport in accordance with the provisions of the NADRA Ordinance, 2000 (VIII of2000) or any other relevant laws.

ہر ٹرانس جینڈر جو پاکستانی شہری ہو اور جو اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ گیا ہو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ اپنی تصور شدہ صنفی شناخت کے مطابق (کہ وہ خود کو مرد سمجھتا ہے یا عورت) نادرا میں شناختی کارڈ، پیدائش سرٹیفکیٹ ڈرائیونگ لائسنس اور پاسپورٹ وغیرہ کے لیے نادرا آرڈیننس 2000، (VII of 2000) یا کسی بھی دوسرے قانون کے مطابق خود کو رجسٹرڈ کروالے۔

(4) A transgender person to whom CNIC has already been issued by NADRA shall be allowed to change the name and gender according to his or her self-perceived identity on the CNIC, CRC, driving license and passport in accordance with the provisions of the NADRA Ordinance, 2000 (VIII of 2000).

جس ٹرانس جینڈر فرد کو نادرا شناختی کارڈ جاری کیا جا چکا ہے اس کو یہ اجازت حاصل ہوگی کہ شناختی کارڈ، پیدائش سرٹیفکیٹ، ڈرائیونگ لائسنس اور پاسپورٹ میں نادرا آرڈیننس 2000، (VII of 2000) کے مطابق اپنی مرضی کی صنف کا اندراج کرائے اور اپنی صنف (جنس) اور نام تبدیل کرالے۔

6. Obligations of the Government: The Government shall take following steps to secure full and effective participation of transgender persons and their inclusion in society, namely:-

(a) establish protection centers and safe houses to ensure the

rescue, protection and rehabilitation of transgender persons in addition to providing medical facilities, psychological care, counseling and adult education to the transgcndcr pcrsons

حکومت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ایسے اقدامات کرے کہ ٹرانسجنڈر افراد کو معاشرے میں ضم کیا جا سکے۔ ان (اقدامات) میں؛

ٹرانس جینڈر افراد کے لئے حفاظتی مراکز بنانا اور اس کے ساتھ ان کی بحالی کے اقدامات کرنا اور ان کے لیے نفسیاتی علاج اور کونسلنگ اور تعلیم بالغان کا بندوبست کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔

7. Right to inherit: -

(3) (iii)

d. below the age of eighteen years, the gender as determined by medical officer on the basis of predominant male or female features.

اٹھارہ سال سے کم عمر کی صورت میں ڈاکٹر یہ فیصلہ کرے گا کہ اس شخص کی غالب پیدائشی جنسی اعضاء کے مطابق اس فرد کی صنف کیا ہوگی

Right to education: (1). There shall be no discrimination against transgender persons in acquiring admission in any educational institutions, public or private, subject to fulfillment of the prescribed requirements.

ٹرانس جینڈر افراد سے کسی بھی سرکاری یا نجی تعلیمی ادارے میں داخلے کے لئے مقررہ شرائط پورے کرنے کے بعد امتیازی سلوک نہیں برتا جائے گا۔

I0.**Righttovote**: No transgender person shall be deprived of his right to cast a vote during national, provincial and local government elections:

Provided that the access to pollingstations shall be determined according to the gender declared on the CNIC of a transgender person.

ووٹ کا حق: کسی بھی ٹرانس جینڈر فرد کو ووٹ کے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا اور وہ صوبائی، قومی اسمبلی اور لوکل گورنمنٹ کے انتخابات میں ووٹ دے سکے گا۔ اور ووٹ دیتے وقت اس کا پولنگ سٹیشن اس کے شناختی کارڈ میں رجسٹرڈ صنفی اندراج کے مطابق ہوگا۔

11. Right to hold public office: (I). There shall be no discrimination on the basis of sex, gender identity and gender expression for transgender persons if they wish to contest clcction to hold public officc.

سرکاری عہدہ رکھنے کا حق: ٹرانس جینڈر لوگ اگر الیکشن میں حصہ لینا چاہیں تو ان سے جنس، صنفی شناخت یا ظاہر شدہ صنف (یعنی جس کے تحت وہ رجسٹرڈ ہوئے ہیں) کی وجہ سے کوئی بھی حکومتی عہدہ حاصل کرنے کے لیے کسی بھی الیکشن یا مقامی حکومتوں کے انتخاب میں امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔

13. **Righttoassembly-**(1) The Government mustensure the freedom of assembly for transgender persons in accordance with Article I6 of the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan.

اجتماع کا حق۔ حکومت یہ بات یقینی بنائے گی کہ ٹرانس جینڈر افراد کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 16 کے تحت اجتماع کرنے کی اجازت ہوگی۔

14. Right of access to public places:- (1) No transgender person shall be denied access to public places, places of entertainment or places intended for religious purpose solely on the basis of his sex, gender identity or gender expression.

عوامی مقامات پر جانے کی آزادی: (1) کسی بھی ٹرانس جینڈر فرد پر عوامی مقامات، تفریحی مقامات (پارک وغیرہ) یا مذہبی مقاصد کے لیے استعمال ہونے والے مقامات پر جانے کے لیے، صرف اس کی جنس، صنفی تشخص، یا صنفی اظہار کی بنیاد پر پابندی نہیں لگائی جائے گی۔

(2) The Government must ensure transgender persons' access to public places in view of Article 26 of the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan.

(3) It shall be unlawful to prevent transgender persons to access facilities available for access of general public and public places mentioned in sub-section (I).

(2) اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی دفعہ 26 کے تحت، حکومت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ ٹرانس جینڈر افراد کو عوامی مقامات پر جانے میں کی آزادی ہو۔

(3) ٹرانس جینڈر افراد کو سب سیکشن (1) میں بیان کردہ عوامی مقامات پر جانے سے روکنا غیر قانونی ہوگا۔

ٹرانس جینڈر قانون: اسلام کے معاشرتی نظام پر حملہ

فرمانِ الٰہی: ”اور اُس (شیطان) نے کہا (اے اللہ) میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصّہ تو لے کر ہی چھوڑوں گا۔ اور مَیں لازماً ان کو بہکاؤں گا اور ان کو بڑی بڑی امیدیں دلاؤں گا‘ اور میں انھیں حکم دوں گا تو (اس کی تعمیل میں) وہ چوپایوں کے کان چیر دیں گے‘ اور میں انہیں حکم دوں گا تو (اس کی تعمیل میں) وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کریں گے۔“ (النساء: ۱۱۸‘ ۱۱۹) ’’اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر (قائم رہو) جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔‘‘ (الروم: ۳۰)

فرمانِ رسول ﷺ: ”ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے‘ پھر اُس کے والدین اسے یہودی‘ نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔“ (صحیح البخاری) ”رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت بھیجی جو عورتوں جیسا چال چلن اختیار کریں اور ان عورتوں پر لعنت بھیجی جو مردوں جیسا چال چلن اختیار کریں۔“ (صحیح البخاری)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق فطرتِ سلیمہ پر کی ہے۔ نسل انسانی کا ہر بچہ اسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین یا ماحول کی وجہ سے اس فطرت پر کچھ اور رنگ چڑھ جاتے ہیں اور آج اس فطرتِ انسانی کو LGBT+ کے ایجنڈے کے تحت شیطانی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

* ٹرانس جینڈر ایکٹ ۲۰۱۸ء کے نتائج کا اندازہ لوگوں کو ابھی نہیں ہو رہا۔ اس کی تباہی کا اندازہ تب ہو گا جب خدانخواستہ ہم مسلمانوں کی آئندہ نسلوں میں لڑکے اور لڑکیاں اس قانون کی آڑ میں اپنی جنس تبدیل کروائیں گے اور ان کے اس عمل کو ”اسلامی جمہوریہ پاکستان“ کا قانونی تحفظ حاصل ہو گا۔
* ٹرانس جینڈر ایکٹ درحقیقت ”جنس“ اور ”صنف“ کی مصنوعی اور لغو تقسیم کو بنیاد بنا کر کھڑی کی گئی ایک شیطانی عمارت ہے۔ اس قانون میں ایک مجرمانہ شق یہ بھی ہے کہ اس بات کا فیصلہ کوئی بھی شخص خود کرے گا کہ وہ عورت ہے یا مرد۔ ٹرانس جینڈر کی تعریف میں حیاتیاتی اور طبی ساخت کے اعتبار سے مکمل مرد اور عورت کو بھی محض اپنے احساسات کی بنا پر ٹرانس جینڈر (مخنث) قرار دیا گیا ہے۔ انٹرسیکس (خنثیٰ) کے حقوق کی آڑ میں بڑی عیاری کے ساتھ ذاتی احساسات‘ خواہشات اور میلانِ طبع کا عذر تراش کر مردوں اور عورتوں کو صنف کی خودساختہ شناخت کی کھلی چھٹی دے دی گئی ہے پھر یہ کہ اس کے اظہار کی بھی عام اجازت ہے۔
* دوسرا یہ ”حق“ دیا گیا ہے کہ مکمل مرد یا عورت ہونے کے باوجود اپنی صنف اپنی مرضی سے‘ اپنے شناختی کاغذات میں اپنے احساسات کے مطابق ٹرانس جینڈر کے طور پر تبدیل کی جا سکتی ہے۔ ایک مرد نادرا کے دفتر جائے اور کہے کہ وہ خود کو ”عورت“ محسوس کرتا ہے تو قانون ادارے کو پابند کرتا ہے کہ وہ

اسے بطور ٹرانس جینڈر عورت رجسٹر کرے۔ اسی طرح عورت بطورِ ٹرانس جینڈر مرد رجسٹر ہو سکتی ہے۔ یہ بنیادی طور پر ہم جنس پرستی کو قانونی شکل دینے کی ایک صورت ہے۔

* یعنی ایک مرد خود کو ٹرانس جینڈر عورت رجسٹر کروا کر دوسرے مرد سے شادی کرتا ہے تو یہ شادی قانونی جواز رکھے گی یعنی جرم نہیں ہو گی۔
* اسی طرح عورت‘ ٹرانس جینڈر مرد بن کر وراثت میں پورا حصہ لے سکتی ہے لہٰذا یہ قانون اللہ کی حدود کو واضح طور پر پامال کرنے کے مترادف ہے۔
* اسی طرح مرد‘ ٹرانس جینڈر عورتیں بن کر سرکاری نوکریاں حاصل کریں گے‘ پبلک مقامات (بازار‘ واش رومز وغیرہ) پر فساد برپا کرنے کے علاوہ مزید کئی دیگر طریقوں سے عورتوں کے حقوق اور نسوانیت کو پامال کرنے کا باعث بنیں گے۔

سوال یہ ہے کہ جب اسلامی نظریاتی کونسل نے اس قانون کی کئی شقوں کو غیر اسلامی قرار دیا ہے اور دینی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے سینیٹرز نے بھی اس میں ترامیم کے بل سینٹ میں پیش کر دیے ہیں تو آخر اس قانون کو فوری طور پر ختم کر کے انٹرسیکس (خنثیٰ) افراد کے حقوق کے تحفظ کے لیے اسلامی اصولوں کے مطابق متبادل قانون سازی کیوں نہیں کی جا رہی؟ کیا ہم جنس پرستی کی پشت پناہی کرنے والی ملکی و بین الاقوامی قوتیں اس قدر طاقت ور ہیں کہ ایک اسلامی نظریاتی ریاست میں ایک غیر شرعی قانون کو اسلامی تعلیمات کے مطابق تبدیل کرنا ممکن نہیں ہو رہا؟

اے پاکستان کے غیور مسلمانو: ایک قبیح جرم کو قانونی تحفّظ حاصل ہو چکا ہے۔ حالیہ بارشوں اور سیلابی صورتحال سے ہمارا ملک اور اس کے عوام کس قدر تباہی سے دوچار ہوئے۔ اگر خدانخواستہ قومِ لوط کی طرح کا عذاب یا مزید کسی قدرتی آفت کا کوڑا برسا تو ہمارا کیا حال ہو گا؟ اگر ہم نے دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب اور بھیانک انجام سے بچنا ہے اور پیغمبروں کے وارثوں نے قوم کو اس دردناک و شرمناک عذاب سے بچانا ہے تو پھر آج آواز بلند کرنا ہو گی۔

ہماری تمام اسٹیک ہولڈرز سے پرزور اپیل ہے کہ اس قانون کو ختم کرنے کی بھرپور جِدّ و جُہد کریں۔ البتہ حقیقی مظلوم طبقہ یعنی انٹرسیکس (خنثیٰ) کے حقوق کے لیے شرعی تقاضوں کے عین مطابق قانون سازی کی جائے۔ تاکہ شریعتِ محمدی ﷺ کی بالادستی قائم ہو جو آئین پاکستان میں بھی طے شدہ ہے۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا!

بانی تنظیم: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
تنظیمِ اسلامی
www.tanzeem.org
امیر تنظیم: شجاع الدین شیخ

Nov 2022
Vol. 71

Regd. CPL No.115
No.11

Monthly **Meesaq** Lahore